"میرے پاس ایسی ہی ایک معمولی بات ہے جو میں خود تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔" مُنیب نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا اور اس کی سیدھی ہتھیلی پر اپنا انگوٹھا پھیر رہا تھا۔

مکمل ناول

URDU NOVELS MAG

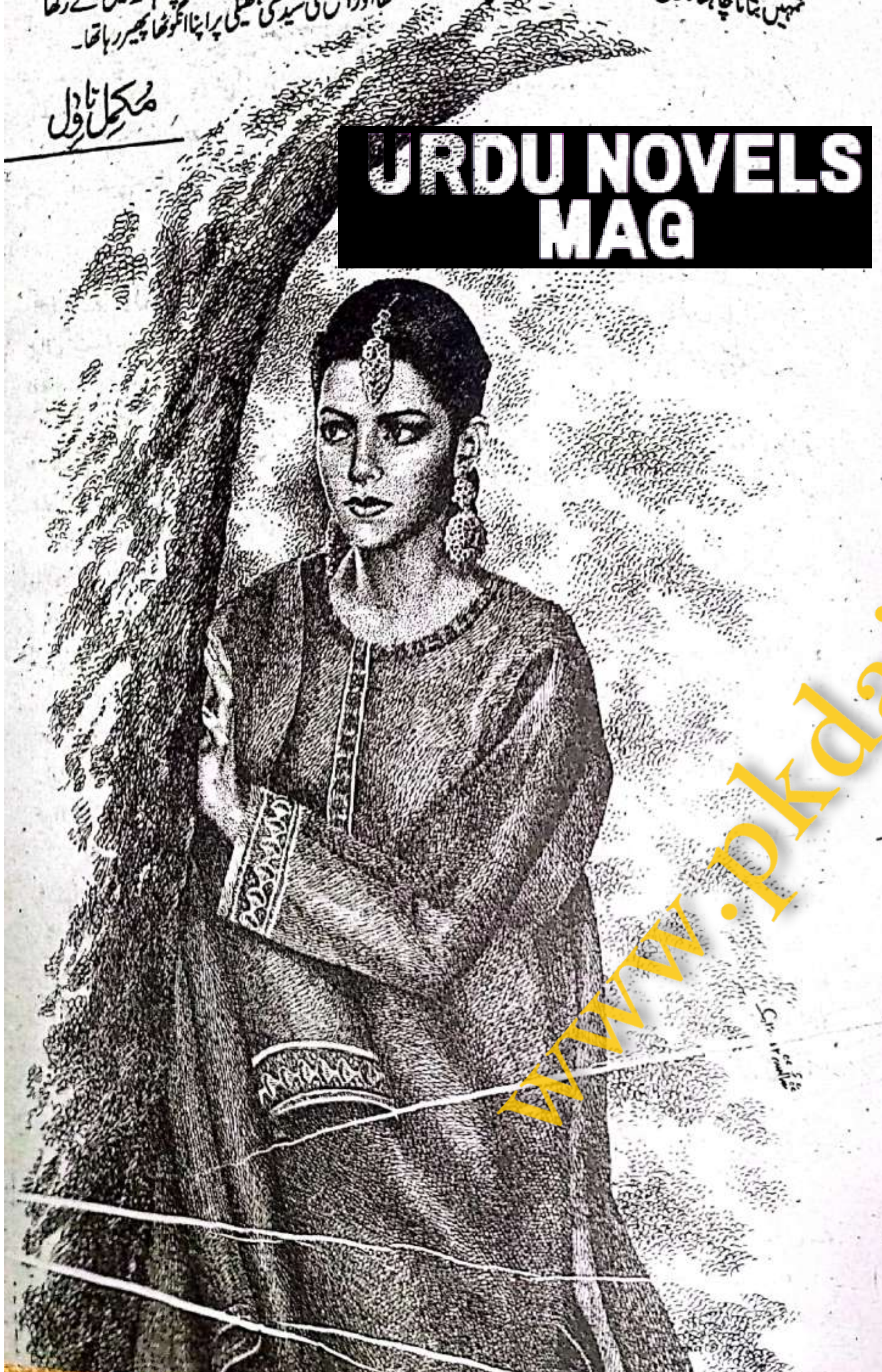

آسیہ رئیس خان

وفا قیدی

وہ دروازے کی چوکھٹ میں ایستادہ اسے اپنے دھیمے اور محتاط انداز میں کام کرتے دیکھ رہا تھا۔ اس کی یہ عادت جوں کی توں قائم تھی کہ اس کی وجہ سے بلا ضرورت شور ابھرے نہ کسی کو پریشانی ہو۔ حالاں کہ اب اس کے ہونے اور پاس ہونے کا احساس اس کی سب سے بڑی آسودگی تھا۔ اس نے اتنا کچھ کھو دیا تھا کہ اب اس کی پیدا کردہ آوازیں، آہٹیں، بالوں اور دوپٹے کی سرسراہٹیں، کلائی میں ڈولتی چوڑیوں کی کھنک، قدموں کی چاپ، سانسوں کے زیر و بم سب کچھ اس میں طمانیت بھر دیتا تھا۔ اس کا خالی پن ان سب سے بھر جاتا تھا۔

وہ تکیے کے غلاف اور چادر بدلنے کے بعد، میلی چادر اور غلاف تہ کر کے پلٹی اور سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑے مُنیب کو دیکھ کر مسکرائی۔

"آپ لیٹ جائیں، میرا کام ہو گیا ہے۔" اسے لگ رہا تھا شوہر اس کے وہاں سے ہٹنے کا منتظر ہے۔ اس نے میلی چادر اور غلاف کرسی پر رکھے اور الماری سے ہلکا سا لحاف نکال کر پائنتی رکھ دیا۔ تب تک وہ اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔

"بیٹھو۔" اس نے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اسے پلنگ کے کنارے بٹھایا۔ وہ اس کی سنجیدہ صورت دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"کیا ہوا؟" اس کے دو لفظ سہمے اور انجانے خوف سے لبریز تھے۔ ان سب پر ہی ہر لمحہ کسی انہونی کا خدشہ سایہ کیے رہتا تھا۔

"کچھ نہیں......" وہ اسے تسلی دینے کے لیے مسکرایا۔

"مجھے یونہی خیال آیا کہ ماضی کی کوئی بڑی بات جو حال میں بھلے ہی معمولی ہو گئی ہو اگر غلط وقت پر ظاہر ہو تو عظیم دکھ اور ملال کا باعث بن جاتی ہے اور

www.pkdailyinfo.com

CamScanner

"میری بات تمہیں اچھی نہیں لگے گی، تمہیں دکھ بھی ہوگا لیکن تمہیں کسی بڑے دکھ سے بچانے کے لیے مجھے یہ سچ کہنا ہے، میں نہیں چاہتا ایک طویل مسافت کے بعد کسی بھی وجہ سے رائیگانی کا احساس تمہیں زندہ درگور کر دے......" اس کا دل بات سننے سے پہلے ہی ڈوبنے لگا تھا۔

☆☆☆

اطلاعی گھنٹی کے جواب میں دروازہ دیبا نے کھولا اور وہ اس کی شکل دیکھ کر ہی کوفت زدہ ہوگیا۔ یہاں آتے ہوئے راستے بھر جو سرور چھایا تھا۔ وہ دروازے پر ہی غائب ہوگیا۔

اعتماد سے عاری الجھی جھجکتی، اپنے آپ میں گمی اور خاموش سی دیبا کو دیکھ کر ہمیشہ ہی اسے الجھن اور بیزاری گھیر لیتی تھی۔

اس کے خاندان کی ساری لڑکیاں شانو سمیت بااعتماد، اپنی اہمیت سے آگاہ اور شخصیت کی تعمیر پر بھرپور توجہ دینے والی تھیں اور ان سب میں دیبا آنکھوں میں چبھنے والا منظر تھی۔

وہ سلام کرکے واپس چلی گئی اور وہ اس کی بداخلاقی پر کڑھتا اندر آیا حالاں کہ اچھی طرح جانتا تھا یہ بداخلاقی نہیں اس گھر میں اس کے لیے مقرر کی گئی حدود ہیں۔

عروبہ کو 'سرپرائز' دینے کے فراق میں اس نے اسے اطلاع نہیں دی تھی اور اب گھر میں صرف نانی، چھوٹی ممانی اور دیبا کو دیکھ کر پچھتا رہا تھا کہ ادھر کا رخ کیا ہی کیوں۔

نانی ہال میں ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے ہی مطلع کیا کہ گھر والے سب عروبہ کی خالہ کے یہاں کسی تقریب میں گئے ہیں۔

"عابدہ!" نانی نے چھوٹی ممانی کو آواز لگائی۔

"جی اماں۔" وہ فوراً ہی دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی دروازے میں نمودار ہوئیں۔ اس نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" انہوں نے [illegible] مسکرا [illegible]

[illegible] کہ بلا ارادہ ہی سلام میں پہل کرکے اس نے انہیں عرصے بعد اپنے لیے کسی کے برتاؤ میں عزت محسوس کرکے ہونے والی خوشی سے ہمکنار کروایا تھا۔

"میرے کمرے میں الماری کے باہر ہی شاپر رکھا ہے، وہ لے آؤ۔"

"جی۔" وہ جیسے فوراً آئی تھیں ویسے ہی یکایک دروازے سے اندر غائب ہوگئیں۔

"اپنے لیے شاپنگ کو گئی تھی تو شانو اور قرۃ العین کے لیے بھی کچھ جوڑے لیے ہیں۔" انہوں نے شاپر کے مشمولات پر روشنی ڈالی۔ وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

"تم فون کر دیتے ناں۔ ذرا دیر پہلے ہی سب نکلے ہیں۔"

"اس طرف اچانک کسی کام سے آنا پڑا تو سوچا مل بھی لوں، پہلے سے کوئی پلان نہیں تھا۔" یہ مکمل سچ نہیں تھا۔

"دیبا!" نانی نے منہ دروازہ کی طرف کرکے ناگواری سے پکارا۔ "سو گئی ہو کیا؟"

"اعظم اچھے ہیں؟" انہوں نے رخ دوبارہ اس کی طرف کرکے پوچھا تو پل بھر قبل والی آواز کی سختی اور ناگواری غائب تھی۔

"پاپا بھی اچھے ہیں، اس ویک اینڈ نہیں اگلے سیٹرڈے آئیں گے۔"

شہر شہر گھومنے کے بعد تین سال پہلے اعظم میر نے آبائی شہر میں مکان تعمیر کیا تھا۔ اعظم میر اور قرۃ العین نے فیصلہ کیا کہ اب وہ اور بچے اپنے گھر میں رہیں گے بس وہ ملازمت کے سلسلے میں جہاں تعیناتیاں ہوں گی وہاں جائیں گے۔ ویسے بھی ان کو سرکاری رہائش اور ملازمین کی سہولت حاصل تھی۔ وہ دو ہفتوں بعد دو دن کے لیے گھر آتے تھے۔

تب ہی دیبا اندر آئی اور ٹرے میز پر رکھی۔ چائے کے ساتھ کیک اور نمکین بھی تھا۔

"میں یہ سب نہیں لوں گا نانی......" اس نے دیکھتے ہی کہا۔

"عقل تو نام کو نہیں ہے اس لڑکی میں۔" وہ جو کپ اٹھا کر اسے دینے لگی تھی، سہم کر اپنی دادی کو دیکھنے لگی۔ یہ ان ہی کی ہدایت تھی کہ 'مخصوص' مہمانوں کو خالی چائے نہ پیش کی جائے۔

"کھانے کا وقت ہے یہ۔" انہوں نے جیسے اس کا چہرہ پڑھ کر ڈانٹ لگائی۔ تب ہی عابدہ وزنی سا شاپر اٹھائے اندر آئیں۔

"مجھے بالکل بھوک نہیں ہے نانی۔" اس نے دیبا کے ہاتھ سے کپ لے لیا۔

"لیٹ لنچ کیا تھا، بس چائے کی طلب تھی۔"

اس نے دیبا کو بچانے نہیں کہا تھا بلکہ یہ واقعی سچ تھا۔ دیبا نے دوسرا کپ انہیں تھمایا اور چلی گئی۔ عابدہ نے پلاسٹک کا بڑا سا تھیلا فرش پر اس کے قریب رکھا تو اس نے دیکھا۔ ان کے دوپٹے کی لیس نکل کر جھول رہی تھی۔ وہ بھی دیبا کے پیچھے ہولیں۔

جیسا برتاؤ یہاں سب کا بیوہ ممانی اور ان کی یتیم بیٹی سے تھا اور جو رویہ ان دونوں کا تھا، وہ یہ دیکھنے کا عادی تھا۔ وہ پہلے کبھی کبھار ہی نانی کے گھر آتا تھا۔ عروبہ کے لیے اپنے بدلے احساسات کے بعد وہ اسے سرپرائز دینے لیے اب اکثر آنے لگا تھا ورنہ تو ان کی ملاقاتیں باہر ہی ہوتی تھیں۔

ابھی اس نے چائے ختم ہی کی تھی کہ فون بجنے لگا۔ دوسری طرف شانو تھی۔

"تمہیں کیسے پتا چلا میں نانی کی طرف ہوں؟" اس نے خوش دلی سے کہا۔

"بھائی۔ کہاں ہیں آپ؟" اس نے جیسے سنا ہی نہیں۔

"ہیلو۔ کہا تو نانی کی طرف آیا ہوں۔"

"امی ابھی تک گھر نہیں آئی ہیں۔" اس نے اب غور کیا کہ وہ رو رہی تھی۔

"سلمان بھائی کب سے انہیں ڈھونڈنے گئے ہیں۔"

"اس میں رونے والی کیا بات ہے۔" وہ ہنسنے لگا۔

"بھائی! تین گھنٹے ہونے آئے ہیں۔"

"اچھا پہلے رونا بند کرو اور پوری بات بتاؤ۔" نانی بھی چونک کر اس کی بات سننے لگیں۔

"امی قریبی مارکیٹ گئی تھیں، وہ ہمیشہ تیس چالیس منٹ بعد واپس آجاتی ہیں لیکن دو گھنٹے ہوگئے وہ نہیں آئیں، میں نے انہیں فون لگایا تب پتا چلا فون گھر میں ہی پڑا ہے اور اب تو سلمان بھائی کو گئے بھی بہت دیر ہوگئی ہے، انہیں ابھی تک ملیں نہیں امی۔" وہ پھر رونے لگی۔

"اچھا تم روؤ نہیں۔ میں آرہا ہوں۔" وہ کھڑا ہوگیا۔

"نانی! میں چلتا ہوں۔"

"ارے یہ تو لو۔" انہوں نے شاپر اٹھایا۔ "کیا کہہ رہی تھی شانو؟"

"کچھ نہیں، امی فون گھر بھول کر مارکیٹ گئی ہیں، دیر ہوگئی انہیں تو شانو پریشان ہو رہی ہے، وہ اکیلی ہے گھر میں۔" اس نے حتی المقدور وہ بات کی جسے سن کر وہ فکرمند نہ ہوں۔

"شانو بھی! اکیلی ہے تو چاچا کے یہاں چلی جائے اسی کالونی میں چار قدم پر تو گھر ہے۔"

"جی بس۔ میں چلتا ہوں۔"

وہ راستے میں تھا تب فون مسلسل بج رہا تھا۔ اس نے فون اٹھانے کے بجائے گھر پہنچنا درست سمجھا۔ گیٹ کھلا تھا۔ وہ جیسے تیسے گاڑی کھڑی کرکے اندر آیا تو ان تینوں کو دیکھ کر طمانیت اس کے اندر سرائیت کر گئی۔

"ڈرا دیا آج تم سب نے مجھے!"

"ہم خود اتنے ڈرے ہوئے تھے۔" شانو اپنی جگہ بھائی کے لیے خالی کرنے کھڑی ہوگئی۔

"کیا ہوا تھا امی؟" اس نے بیٹھ کے ماں کا ہاتھ پکڑا۔ وہ ماں کا لاڈلا تھا تو قرۃ العین بھی اس کی دنیا تھیں۔

"پتا نہیں بیٹا، میں تو بس واپس آرہی تھی پھر اچانک چلتے چلتے تھک گئی تب غور کیا کہ ابھی تک گھر کیوں آیا، کہاں آگئی ہوں۔ آس پاس دیکھا تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا، جانے بے خیالی میں کون سا موڑ مڑ گئی کہ پھر راستہ ملا ہی نہیں۔"

www.pkdailyinfo.com
Watermarkly CamScanner

”پھر کیسے آئیں گھر؟“ اس نے سوال پوچھتے ہوئے سلمان کو دیکھا۔

”ایک شاپ کے باہر بیٹھی تھیں۔“

”تھک گئی تو ایک جگہ ٹھہر کر تم سب کے فون نمبر یاد کرنے کی کوشش کرنے لگی مگر کسی کا نمبر بھی یاد ہی نہیں کیا تھا تو کیسے یاد آتا۔“ وہ نڈھال سی لگ رہی تھیں۔

”شانو! اب تمہاری ڈیوٹی ہے کہ امی کبھی فون نہ بھولیں اور امی آپ بھی پلیز کسی ایک کا فون نمبر تو یاد کرلیں۔“ دونوں نے اس کی بات پر سر ہلایا۔

”امی نام اور برتھ ڈیٹس کے ساتھ ساتھ اب راستہ بھی بھولنے لگی ہیں۔“ سلمان ہنسا۔

”میں راستہ بھولی نہیں تھی بس بے خیالی میں کہیں اور نکل گئی تھی۔“ انہوں نے یقین سے کہا۔

”آپ کوشش کریں کہ چاچی کے ساتھ جایا کریں۔“ منیب کا مشورہ معقول تھا۔

”یہ تو بس آج ہو گیا بیٹا! ہر دفعہ تھوڑی نہ ہوگا، ویسے شانو نے خوامخواہ تمہیں بھی پریشان کردیا۔“

”خوامخواہ؟ اور کیا کرتی میں؟ ایک گھنٹہ بعد بھی آپ بھائی کو ملی نہیں تھیں۔“

”اب بس کریں سب۔“ سلمان بھی کھڑا ہوا۔ ”کھانا ہی دے دو اب کوئی بھوک لگی ہے۔“

”کھانا؟“ شانو نے ماں کو دیکھا۔

”امی نے بازار سے آکر بنانا تھا۔“

”تمہیں وقت دیکھ کر بنا لینا چاہیے تھا ناں۔ امی آپ کب اسے کچن کی ذمہ داری دیں گی؟“ وہ جھنجھلا گیا تھا۔ بھوک کا کچا تو ہمیشہ سے تھا اور بھاگ دوڑ نے تھکا بھی دیا تھا۔

”امتحان ہو جانے دو پھر کچن یہ ہی سنبھالے گی۔“ قرۃ العین نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”میں دیکھتی ہوں۔“

”آپ رہنے دیں امی۔ میں کچھ آرڈر کر دیتا ہوں۔“ منیب نے انہیں روکا۔

”پزا منگوائیں بھائی۔“ شانو نے دیر نہیں کی۔

”روٹی چاول [illegible] ورنہ میں لیتی ہوں۔“ اندر جاتے ہوئے وہ رک کر پلٹیں۔

شانو نے برا سا منہ بنایا اور سلمان اور وہ مسکرا دیے۔ قرۃ العین کے کھانے کا مطلب روٹی چاول کے ساتھ گوشت سبزی اور دالیں تھا۔ ان کے علاوہ باقی چیزوں کو وہ 'کھانے' میں شمار نہیں کرتی تھیں۔

اس واقعے کے بعد سب کچھ معمول پر چل رہا تھا تاکہ قرۃ العین میں در آرہی تبدیلیوں کو بھی وہ معمولی ہی سمجھ رہے تھے جیسے منیب کا فون نمبر یاد کرتے وہ خوف زدہ ہو جاتیں اور ابھی تک انہیں درست نمبر یاد نہیں ہو پایا تھا۔ وہ جب بھی انہیں نمبر سناتے ہوئے غلطی کرتیں وہ سب ہنس پڑتے۔

”امی! آپ کی اتنی لائق اولادیں ہیں پر اب لگتا ہے ہم سب پاپا پر گئے ہیں۔“ سلمان کہتا۔

”میں بھی اپنی کلاس کی ٹاپر ہوا کرتی تھی اب تو عمر کا تقاضا ہے۔“

ویک اینڈ پر اعظم میر آئے تو حسب عادت ان کے پیچھے گھر کے واقعات سنانے کے دوران شانو نے انہیں قرۃ العین کے راستہ بھٹکنے والی بات بھی سنائی اور وہ بھی بیوی کو چھیڑتے رہے۔

”بیگم! کسی دن ہمیں نہ بھول جانا۔“ وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر ان کی طرف جھکے اور قرۃ العین ہمیشہ کی طرح بری طرح شرما گئیں۔

”ہزار بار کہا ہے بچوں کا لحاظ کیا کریں۔“ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی، چہرے پر مصنوعی ناراضی سجائے اٹھ کر جانے لگیں۔

”بچوں کے رومانس کے دن ہیں، اب آپ کے نہیں۔“ انہوں نے باورچی خانے میں جاتے جاتے کہا۔ پیچھے سے ان تینوں نے ہو ہو ہاہا کا غوغہ مچا دیا۔

اعظم میر معمول کی طرح اتوار کی رات واپس چلے گئے۔ اگلے دن چاچی آئیں اور قرۃ العین کو ہفتہ بھر پہلے کی بات یاد ہی نہیں آرہی تھی۔

”حد کرتی ہو قرۃ العین! تم بھی، تم نے ہی تو کہا تھا اگلے سنیچر کو نوروز جانا ہے تمہیں ڈورمیٹ اور نئے تولیے وغیرہ لینے ہیں۔“ انہوں نے دوکان کا نام لے کر یاد دلانا چاہا۔

”ڈورمیٹ اور ناول......“ وہ الجھی سی سوچنے لگیں۔

”چلو، لے لوں گی۔“ وہ جانے کے مقصد سے تیار ہو کر آئی تھیں اور اب اگر جانا منسوخ ہوتا تو ان کا بگڑا مزاج کئی ہفتوں تک ٹھیک نہیں ہونا تھا، سو وہ جانے تیار ہوگئیں۔

☆☆☆

”یہ کیا کر رہے ہو تم؟“ سلمان بڑی دیر سے فون اور ڈائری میں الجھا تھا۔

”امی کا ڈیلی حساب کتاب ٹیلی کر رہا ہوں، جو ٹیلی ہو نہیں رہا۔“ اس نے کام جاری رکھتے ہوئے جواب دیا۔

”لاؤ، میں کر دوں۔“

”تم رہنے دو۔“ قرۃ العین نے ٹوکا۔

”پچھلے کئی مہینوں بلکہ سال بھر سے یہ ہی کر رہا ہے مجھ سے ہوتا نہیں اب۔“ انہوں نے بیزاری سے کہا۔ وہ یہ ہی ایک کام سلمان سے کرواتی تھیں۔

”امی! آپ نے کچھ تو غلط لکھا ہے۔“ سلمان نے فون ایک طرف رکھ دیا۔

”شاید۔“

”چھوڑیں بھی اور اب ڈائریوں میں کون لکھتا ہے، دنیا بھر کی ایپس موجود ہیں جو خود ہی آدھے سے زیادہ کام کر دیتی ہیں۔“

”میں نے امی کو وہ بھی انسٹال کر کے دیں لیکن ان سے نہیں ہوا مینج۔“

”اب پاپا تھوڑی نا آپ سے حساب کتاب مانگتے ہیں جو آپ اتنا تردد کر رہی ہیں، چھوڑیں بس جانے دیں۔“

”یہ تو میں اپنے لیے لکھتی تھی بیٹا۔“

”امی!“ شانو پکارتے ہوئے اندر آئی۔ ”آپ بھائی کی شادی کب کر رہی ہیں؟“ وہ دھم سے صوفے پر ان کے پاس بیٹھ گئی۔

”اتنی اچانک یہ فرمائش؟“ سلمان کی بھنویں

الف لیلہ
ہزار داستانیں

دلچسپ اور خوبصورت داستانیں جنھیں پڑھ کر بچے ہیری پوٹر کو بھول جائیں گے، ایسی داستانیں جنھیں بڑے بھی پڑھ کر لطف اندوز ہوں گے

کتاب بذریعہ رجسٹری منگوائیں

-/300 روپے کا ڈسکاؤنٹ حاصل کریں

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے

مکتبہء عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

www.pkdailyinfo.com

CamScanner

اوجھی ہوئیں۔

"میری سہیلیاں پوچھتی ہیں مجھ سے اور میں پڑھ پڑھ کے اتنا پک گئی ہوں کہ کوئی ہنگامہ چاہیے مجھے۔"

"اس بار تمہارے پاپا آئیں تو یہ مسئلہ اور حل ان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔" قرۃ العین مسکرائیں۔

اور وہ بھی مسکراتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اب عروبہ کے متعلق گھر میں بتا دینے کا وقت ہو گیا ہے۔ وہ کزنز تھے پھر بھی دونوں نے یہ اب تک سب سے چھپا کے رکھا تھا۔

☆☆☆

اعظم میر عام طور پر جمعہ کی رات میں آتے تھے لیکن اس بار وہ سنیچر کے دن دوپہر تک پہنچ رہے تھے۔ شانو کی چھٹی تھی۔ سلمان دفتر اور وہ اپنے دفتر میں تھا۔

ایک بار پھر شانو نے اسے روتے ہوئے فون کیا اور وہ گھر پہنچا۔

قرۃ العین بھول گئی تھیں کہ انہوں نے کھیر کا برتن کم آنچ پر رکھا ہے جسے چند منٹ بعد بند کرنا تھا۔ جب پتیلی بمعہ کھیر کے جل کر سیاہ ہو گئی، دھواں اور بو سارے گھر میں بھر گیا تب پڑوسی نے اطلاعی گھنٹی بجا کر کہا کہ پچھلی کھڑکی سے سیاہ دھواں نکل رہا ہے۔ شانو اپنے کمرے میں بند تھی اور قرۃ العین بھی غسل کے بعد نماز ادا کر کے اپنے تئیں سب کام ختم کر کے کچھ دیر کے لیے لیٹیں تو ان کی آنکھ لگ گئی تھی۔ باورچی خانے کا حلیہ خاصا بگڑ گیا تھا۔

قرۃ العین یہ سوچ کر کانپ گئیں کہ اگر دودھ کی جگہ تیل یا گھی ہوتا تو!

انہوں نے کھیر بنائی تھی اور گرم پوریاں وہ کھانے سے ذرا پہلے تلنے کا ارادہ کیے تھیں۔ انہیں احساس ہوا کہ یہ بھولنے کی عادت باورچی خانے میں کتنا شدید نقصان کروا سکتی تھی۔ سب کو ہی کچھ کھٹک رہا تھا۔ مثیب انہیں ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔

جب ڈاکٹر نے [illegible] سوال پوچھے اور [illegible] سوچ کر [illegible] انہوں نے بھی جواب دیے تو خود ہی ششدر رہ گئے کہ یہ ایک دو دن نہیں بلکہ آہستہ آہستہ چند سالوں میں ان کے اندر کئی تبدیلیاں آگئی ہیں۔ جس پر کسی نے توجہ ہی نہیں دی خود قرۃ العین نے بھی نہیں۔ چیزوں کے نام اور جان پہچان والوں کے نام جلد ان کے ذہن میں نہیں آتے تھے۔ کتنی ہی نشانیاں تھیں جو ہنسی مذاق کی نذر ہو گئی تھیں۔

ذہنی استعداد اور آگاہی جانچنے والے ٹیسٹ اور دماغ کے اسکین کے بعد ڈاکٹر نے اپنی تشخیص بیان کی تو کوئی بھی فوری ردعمل نہیں دے پایا۔ ڈاکٹر نے مرض تفصیل سے بیان کیا اور قرۃ العین سن ہو گئیں۔ اعظم میر اور مثیب خود کو سنبھالے ہوئے تھے لیکن "الزائمر" کی اطلاع ان کے لیے بھی انتہائی پریشان کن تھی۔

☆☆☆

کمرے میں پانچ نفوس موجود تھے لیکن سناٹا ایسا تھا کہ سوئی گرنے کی آواز بھی بہ آسانی سنی جا سکتی تھی۔

"کچھ تو ہوتا ہو گا نا دوائیاں، سرجری کوئی تھیراپی؟" شانو نے پہل کی۔

"جب آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ کوئی خطرناک بیماری نہیں ہے تو پھر یوں چپ کیوں ہو گئے ہیں سب؟" اس نے باری باری سب کو دیکھا۔ اس کے اکسانے پر بھی کسی نے منہ نہیں کھولا اور قرۃ العین رونے لگیں۔ سلمان نے چڑ کے بہن کے سر پر چپت لگائی اور ماں کی طرف اشارہ کیا۔

"اس لیے چپ تھے!" اس نے منہ کھولے بنا اپنی بات جتا دی تھی۔

"امی! اس میں رونے والی کوئی بات نہیں ہے۔ ڈاکٹر نے کہا ہے، اسے کیسے سنبھالا جا سکتا ہے۔"

"اور نہیں تو کیا، ہم سب ساتھ ہیں نا مل جل کر اسے آسان بنائیں گے۔" اعظم نے بیوی کا کاندھا تھپتھپا کر حوصلہ دیا۔

"کیسے کوئی بات نہیں ہے۔ میں کچھ دنوں میں سب بھول جاؤں گی، تم سب کے نام اور رشتے بھی، مجھ سے اپنے کام بھی مشکل سے ہوں گے، میری سوچنے سمجھنے فیصلہ کرنے کی صلاحیت ختم ہو جائے گی،

مجھے اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا اور۔" آگے ان سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

"سب مشکل نہیں ہے امی۔" اس نے زمان سے کہا۔

سب کا متفقہ فیصلہ اور پہلا اقدام قرۃ العین کو باورچی خانے کے کاموں سے چھٹی دینا تھا۔

گھر کے کام کے لیے آنے والی ملازمہ نے ایک پکانے والی خاتون کا انتظام کر دیا تھا جو صبح آ کر ان سب کا ناشتہ اور دوپہر کا کھانا بنا کر چلی جاتی پھر شام میں آ کر رات کا کھانا تیار کرتی تھی۔ قرۃ العین نے سب کو سختی سے منع کیا تھا کہ ان کی بیماری یا حالت کے بارے میں کسی سے کچھ نہ کہا جائے۔ شانو کا زیادہ وقت پڑھائی میں گزرتا تھا لیکن اب اسے چائے بنانے تو کبھی کھانا گرم کرنے کے لیے باورچی خانے کے چکر لگانے پڑتے۔ قرۃ العین کے لیے یوں ہی گھر میں یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا بھی مشکل تھا۔ وہ خود حد درجہ محتاط ہو گئی تھیں۔ ذہن میں بار بار اپنے پیاروں کو یاد کرنے کی کوشش کرتیں کہ وہ اس طرح کسی کو بھولے نہیں۔

باورچی خانے والے حادثے سے وہ خود بھی حد درجہ ڈر گئی تھیں۔ نہیں چاہتی تھیں کہ ایسا کچھ دوبارہ ہو۔ سارے گھر پر ایک عجیب سی سوگواری چھائی تھی۔ اعظم میر ہر ہفتے گھر آنے لگے تھے۔ وہ بیوی کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے کے متمنی تھے۔ جتنا بچا وقت تھا وہ اسے یادگار بنانا چاہتے تھے، اسے بھرپور طریقے سے جینا چاہتے تھے۔ ان دونوں کے تو بڑے بڑے منصوبے تھے کہ ان کی سبکدوشی کے بعد انہیں سارا ملک اور پھر دنیا گھومنے جانا تھا۔ قرۃ العین جو دن میں ایک بار تو قریبی بازار جاتی تھیں اب گھر سے باہر ہی نہیں نکلتیں۔ اعظم میر گھر آتے تو رات انہیں چہل قدمی کو لے جاتے۔

بخار ہو، سر درد یا کوئی اور جسمانی تکلیف تو انسان کو بستر سے لگے رہنا برا نہیں لگتا۔ ایسے میں گھر والوں کا خیال رکھنا، فکر کرنا بھی طمانیت دیتا ہے لیکن یہاں کوئی جسمانی تکلیف نہ تھی، کوئی ذمہ داری بھی نہیں رہی تھی۔ وہ جو چند دن پہلے تک گھر کی مالکن تھیں، اپنے گھر کا سارا کاروبار سنبھال رہی تھیں، چھوٹی بڑی ہر بات اور چیز کا خیال رکھتی تھیں اب بالکل فارغ تھیں۔ انہیں اپنا آپ ناکارہ لگنے لگا تھا۔ اب وہ باتیں یاد نہ آنے پر جھنجھلا جاتی تھیں، انہیں اس بات پر اب غصہ آنے لگا تھا۔ جسے پہلے عام سی بھلکڑ طبیعت سمجھ کر اہمیت نہیں دی تھی، اب وہ سب باتیں ان پر حتمی طریقے سے اثر انداز ہو رہی تھیں۔ اب اکثر وہ کبھی رونے لگتیں تو کبھی بے انتہا حساس ہو جاتیں، غصہ کرنے لگتیں۔ ان کا ذہن قبول کرنے کو تیار نہیں تھا کہ ان جیسی مضبوط عورت کچھ دن بعد اس قدر محتاج ہو جائے گی کہ اپنے بارے میں بھی سب بھول جائے گی۔

ملازمہ کے ہاتھوں کا کھانا وہ سب زہر مار کر رہے تھے۔ سلمان نے تو باہر ہی کھانا شروع کر دیا تھا۔ چاچی ملنے آتیں تو وہ بھی کرید کر گھر میں ہوئی تبدیلیوں کی وجہ پوچھتیں۔ سب کے پاس جواب میں باورچی خانے والا حادثہ ہی تھا اور وہ سب بچوں پر ڈال دیتیں کہ انہوں نے معمولی بات پر زبردستی ماں سے اس کا کچن چھین لیا ہے۔ نانی ملنے آئیں تو قرۃ العین ماں کے آگے ڈھے گئیں۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے کیا، سارا گھر کیسے الٹا ہوا پڑا ہے، لگتا ہے کئی دن سے جالے بھی نہیں اتارے تم نے۔" وہ بیٹی کی نفاست پسندی سے واقف تھیں اس لیے حیرت اور سوال لازم تھا۔

"میں ٹھیک کہاں ہوں اماں! میں بیمار ہوں۔ میں آہستہ آہستہ سب بھول جاؤں گی، میں ایک جیتی جاگتی لاش ہو جاؤں گی۔ سب کے لیے، بوجھ، کسی کو پہچاننے کے قابل نہیں رہوں گی نہ کوئی جسمانی دماغی کام ہو گا مجھ سے۔" وہ زار و قطار رو رہی تھیں۔

"ہیں!" نانی حواس باختہ سی بیٹی کو روتے اور عجیب سی باتیں کرتے دیکھ رہی تھیں۔

"کیا کہہ رہی ہو قرۃ العین! پہلے رونا بند کرو۔" پھر انہوں نے انگشت بدنداں بیٹی کی بات سنی۔

www.pkdailyinfo.com
CamScanner

"یہ نسیان ہوا تو کسی کسی کو ساٹھ کے بعد ہوتا تھا، تمہیں کس لیے آ لگا؟ ہمارے خاندان میں تو دور دور ایسا کوئی ہوا نہیں، سب اللہ کے کرم سے آخری عمر تک ہوش حواس میں ہر بات اور یاد سے باخبر گزرے ہیں۔"

"میری ہی قسمت۔" انہیں خراب کہنا تھا لیکن لفظ نہ ذہن میں آیا نہ زبان پر۔

"بے اماں۔" انہوں نے یونہی جملہ مکمل کرلیا۔

نانی نے جب ملازمہ کے ہاتھ کا کھانا اور شانو کی بنائی چائے پی تو ان سب کی ایک مشکل آسان کردی۔

"دیبا پکاتی اچھا ہے، میں اسے یہاں بھیج دیتی ہوں۔ وہ کچن سنبھالنے کے علاوہ تمہارے ہاتھ کے نیچے رہے گی۔"

ملازماؤں کے بجائے دیبا ان سب کی زیادہ فرماں بردار ملازمہ ثابت ہوسکتی تھی۔ وہ مان گئیں۔

اگلے دن ماموں دفتر جاتے ہوئے دیبا کو چھوڑ گئے۔ دیبا اپنا چھوٹا سا بیگ اٹھائے ان کے سامنے کھڑی تھی۔

"صفائی اور برتن کے لیے۔" انہیں ملازمہ کا نام یاد نہیں آیا۔ حالاں کہ گھر میں سب اسے نام سے ہی بلاتے تھے۔

"ایک ماسی آتی ہے۔ تمہیں پکانا ہے اور ماسی سے ٹھیک طرح کام لینا ہے۔ باقی باتیں تمہیں مثیب سمجھادے گا۔"

آخر انہوں نے ماسی سے کام چلا لیا۔ اکلوتی [illegible]

پھپھو کا رویہ بھی ان کے ساتھ روکھا اور لیا دیا سا ہی ہوتا تھا پھر بھی دادی، تایا تائی اور چاچا چاچی اور ان کی اولاد سے بہتر تھا۔ سال میں دوبارہ پھوپھی کی طرف سے ملنے والے کپڑے جوتے معیاری اور اچھے ہوتے تھے۔ وہ ہر عید پر اسے عیدی بھی دیتی تھیں لیکن بے تکلفی یا بات چیت نہیں تھی۔

مثیب کو دیبا کی موجودگی اچھی نہیں لگی تھی لیکن رات میز [illegible] خوش ہو [illegible] دن [illegible] سال یا سبزی کی جگہ اہتمام

سے کھانا چنا گیا تھا اور چکھنے کے بعد اسے بس ذائقہ یاد رہا دیا نہیں۔ سب نے ہی اس دن بڑے وقت بعد سیر ہو کر کھایا تھا۔

بیگ باورچی خانے میں ایک طرف رکھ کے وہ سارا دن کام میں مصروف رہی تھی۔ اس نے ملازمہ کے لیے برتن چھوڑنے کے بجائے خود ہی دھو لیے تھے۔ سب اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ کسی نے اسے نہیں بتایا تھا اسے کہاں سونا ہے۔ اس کے لیے باورچی خانے کے علاوہ کوئی اور کونا ہے بھی یا نہیں۔

"پھپھو نے کہا تھا، مثیب بھائی سب بتا دیں گے۔" وہ اتنی تھکی تھی کہ فرش پر بیٹھ کر پیچھے کیبنٹ سے پیٹھ ٹکا کر آنکھ بند کرلی۔

"انہوں نے تو کچھ کہا ہی نہیں۔ اگر مجھے یہیں سونا ہے تو بستر۔" اس نے آنکھیں کھول کر جائزہ لیا۔ وہ ایک طرف کچھ بچھا کر سو سکتی تھی لیکن بچھانے کیا۔ اپنا دوپٹا یا کوئی جوڑا۔ اس نے چمچماتے فرش پر ہاتھ پھیرا جو چکنا اور سرد تھا۔

"اس پر کچھ بھی نہیں ٹکے گا۔" تب ہی اس کا فون بجنے لگا۔

"السلام علیکم امی۔"

"سب ٹھیک ہے بیٹا! وہاں کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی ناں؟"

"ہاں امی! سب ٹھیک ہے۔" ماں کی محبت ہی ایسی تھیں کہ ساری سچائی جانتے ہوئے بھی وہ یہ سوال پوچھے بنا نہیں رہ سکتی تھیں۔

"میں بس سونے جا رہی تھی۔"

"اچھا اچھا۔" انہیں خوشی ہوئی ورنہ وہاں تو باورچی خانہ سمیٹتے ہوئے بارہ بج جاتے تھے۔

"کمرے میں ہو یا کہاں ہو؟"

"کمرے میں ہوں امی۔" ہم سب سے زیادہ جھوٹ ان ہی سے کہتے ہیں جنہیں خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔

"اچھا سو جاؤ بیٹا۔"

"آپ بھی جلدی سو جایئے گا۔"

"ہاں ہاں اللہ حافظ۔" انہوں نے فون بند کردیا۔

اس نے پھر سر پیچھے ٹکا کر آنکھیں بند کرلیں۔ اب امی وہاں اکیلی رہ گئی تھیں۔ دونوں مل کر کام نمٹاتی تھیں تو آسانی تھی لیکن اب سارا بوجھ عابدہ پر آن پڑا تھا۔

مثیب کو ایک دم قدم روکنے پڑے۔ وہ دروازے سے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ جب وہ کاؤنٹر کے پاس آیا تو وہ نظر آئی۔ وہ دیوار سے لگے کاؤنٹر کے دروازے پر سر ٹکائے سو رہی تھی۔ اس نے کاٹن کا دوپٹا چادر کی طرح خود پر ڈال رکھا تھا۔ اس کا بیگ بھی قریب ہی تھا۔

اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ کسی نے اس کا انتظام کیا ہے نہ اسے کچھ بتایا ہے۔ گھر کا کوئی سربراہ عملاً نہیں رہا تھا۔ سلمان پہلے سے ہی گھر کے معاملات میں دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ شانو پر پڑھائی کا بھوت سوار تھا۔ آنے کے بعد کھانے کے لیے ہی کمرے سے نکلتی تھی۔ وہ اسے آواز دینے یا اٹھانے کے بجائے جس کام سے آیا تھا وہ کرنے لگا۔ اس کی نیند کچی تھی جو وہ لائٹر کی آواز پر ہی جاگ گئی اور اسے دیکھ کر ہڑبڑا کر کھڑی ہوئی۔ اس نے دوپٹا بیگ پر ڈالا اور بیگ پیر سے ایک طرف کھسکایا۔ ایسی حرکتوں پر ڈانٹ ہی پڑا کرتی تھی۔

"میں بنا دیتی ہوں۔" اس نے فریج سے دودھ کی پتیلی نکال کر سلیب پر رکھی تو دیبا نے کہا۔

"کوریڈور کے لیفٹ میں براؤن دروازے والا کمرہ خالی ہے۔ اپنا سامان وہاں رکھ دو۔" اس نے اس کی بات ان سنی کرکے شکر اور [illegible] ڈبے نکالتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر اگلے حکم کی منتظر رہی لیکن وہ یوں چائے بنانے لگا جیسے وہاں تنہا ہو۔ دیبا نے جھک کر بیگ اور اس پر پڑا دوپٹا اٹھایا۔

مثیب نے اوپر والا کیبنٹ کھول کر کوکیز کا ڈبہ اٹھایا اور اس میں سے دو کوکیز نکال کر چھوٹی طشتری میں رکھ کر ڈبہ واپس رکھ دیا۔ وہ کچھ دیر اس کے کچھ کہنے کی منتظر رہی پھر اپنا بیگ اٹھا کر باہر نکل گئی۔

اس کا بتایا کمرہ رقبے کے اعتبار سے واقعی کمرہ تھا اسٹور نہیں لیکن وہاں کافی کاٹھ کباڑ بھرا تھا۔ پرانی کرسیاں ایک میز کے اوپر رکھی تھی۔ ایک طرف پرانی واشنگ مشین تھی اور اس کے اوپر دو بڑی بڑی گٹھڑیاں تھیں۔ وہاں پلنگ تھا اور اس پر بستر بھی بچھا تھا۔ اس نے بیگ ایک طرف رکھا اور بستر جھٹک کر لیٹ گئی۔

"آج میں جلدی سو رہی ہوں تو امی کو دیر ہوگی۔" وادی نوم میں گم ہونے سے پہلے اسے آخری خیال آیا تھا۔

☆☆☆

قرۃ العین کی پہلے دن والی بات کے علاوہ اسے کسی نے کوئی ہدایت دی تھی نہ اپنے کھانے پینے کے اوقات بتائے تھے۔ اس نے چند دن کے مشاہدے کے بعد خود ہی اندازہ لگا کر اس کے مطابق اپنا معمول بنا لیا تھا۔ قرۃ العین کی بیماری اور حالت اب راز نہیں رہی تھی۔ رشتے دار اور جان پہچان والے سن گن لینے کسی نہ کسی بہانے آتے رہتے۔ وہ دلاسا بھی اس انداز میں دیتے تھے کہ بیمار انسان کا حوصلہ مزید ٹوٹ جائے۔

کھانے میں کیا بنانا ہے کبھی قرۃ العین خود اسے بتا دیتیں۔ کبھی وہ خود ان سے پوچھ لیتی۔ اس کی تائی چاچی اور دادی ملنے آئیں تو عابدہ بھی ساتھ آئی تھیں لیکن یہاں بھی وہ مہمانوں کی طرح ڈرائنگ روم میں نہیں بلکہ اس کے ساتھ باورچی خانے میں اس کے ساتھ [illegible] ان کی حیثیت کا جو تعین شوہر کی وفات کے بعد طے ہوا تھا اس میں تبدیلی ناممکن تھی۔

اس نے انہیں اپنا کمرہ بھی دکھایا جس کی شکل اس نے اول دن کے مقابلے میں کافی سدھار لی تھی۔ عابدہ بیٹی کے لیے خوش تھیں۔

اسے فجر کے وقت جاگنے کی عادت تھی۔ یہاں بھی وہ نماز کے بعد کام پر لگ جاتی۔ سب سے پہلے سلمان جاتا تھا۔ وہ گھر والوں کے جاگنے سے پہلے ناشتے کے لیے موجود ہوتا۔ ناشتہ بھی آملیٹ پراٹھے کے ساتھ یا چائے پراٹھا۔ پھر شانو اور قرۃ العین ایک ساتھ ناشتہ کرتیں۔ مثیب کبھی ان کے ساتھ ہوتا اور

www.pkdailyinfo.com
CamScanner

کبھی ان کے بعد آتا۔
رات کا کھانا سب ایک ساتھ میں کھاتے تھے سوائے منیب کے۔ وہ دیر رات گھر آتا تھا اور اس کے انتظار میں وہ باورچی خانے میں اونگھتی رہتی۔ دوپہر کے وقت شانو اور قرۃ العین ہوتیں اور جب اعظم میر آئے ہوتے تو وہ بھی۔
چھٹی والے دن سارا گھر تینوں وقت ایک ساتھ میز پر موجود ہوتا تھا۔
منیب اور سلمان میں ڈیڑھ سال کا فرق تھا جب کہ شانو سلمان سے دس سال چھوٹی تھی۔ ان سب میں منیب اور اعظم میر ہی تھے جو کھانے کے اوقات کے علاوہ بھی باورچی خانے میں آجاتے تھے۔ منیب اپنے لیے چائے، کافی خود بنا لیتا تھا۔ وہ باقیوں کی طرح اسے کبھی کوئی کام نہیں کہتا تھا۔
قرۃ العین، غائب دماغی اور وقتاً فوقتاً مخصوص لفظ، نام اور تاریخیں بھولنے کی عادت کے علاوہ وہ عام صحت مند انسان دکھائی دیتی تھیں۔ وہ اپنی دیورانی اور بھابھیوں کے کریدتے سوال اور ہمدردیوں کو بھی تحمل سے سنبھال رہی تھیں۔ ان کے سامنے وہ ایسے ہی پیش آتیں جیسے کوئی بڑی بات نہ ہو۔ گھر میں ملازمین کی نگرانی کے لیے اپنے طور پر کڑی نظر رکھی تھی کہ کوئی ان کی غفلت کا فائدہ نہ اٹھا سکے لیکن ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کی ذہنی الجھن اور غور و فکر کرنے کی صلاحیت کمزور پڑ رہی تھی۔
وہ گھر کا ایک کونہ پکڑ کر بیٹھنا نہیں چاہتی تھیں لیکن گزشتہ حادثوں نے خوف زدہ کر دیا تھا۔ اس لیے اب وہ محتاط تھیں۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ اپنی کیفیت اور بیماری کے لیے ان کی قبولیت کا درجہ بڑھ رہا تھا۔ بے یقینی، دکھ، اللہ سے شکایت اور میں ہی کیوں اور یہ ہی کیوں سے آگے بڑھ کر وہ اپنے اور گھر والوں کے لیے آسانیوں کا سوچنے لگی تھیں۔
جب تک ذہن اور یادداشت ساتھ تھی، سوچنا سمجھنا ممکن تھا، وہ اسے ماتم اور افسردگی کے سپرد نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ [illegible] چپ کر بیٹھ [illegible]

اور رونے کے بعد وہ نئے عزم کے ساتھ اپنی بیماری کے ساتھ جینے کے لیے تیار ہو گئی تھیں۔
آج وہ بڑے دن بعد شانو کے سر میں تیل کی مالش کر رہی تھیں۔ شانو کتاب ہاتھ میں لیے پڑھ رہی تھی۔ کچھ دن پہلے کی بات ہوتی تو وہ اس 'وقت بربادی' کے لیے کبھی ان کے آگے نہ بیٹھتی مگر اب اسے احساس تھا وقت سب کا قیمتی ہے۔
قرۃ العین نے جب چوٹی گوندھنا شروع کی تو ٹھہر گئیں۔ بالوں کے تین حصوں کو کیسے چوٹی کی شکل دیتے ہیں، انہیں یاد نہیں آرہا تھا۔ کتنی ہی دیر وہ ہاتھ روکے رہی۔ شانو کو احساس ہوا تو وہ جو اونچی آواز میں رٹنے لگا رہی تھی، اس کی آواز دھیمی ہوتے ہوتے بند ہو گئی۔
"میں کیچر لگا لوں گی امی۔" اس نے دبی سی آواز میں کہا اور خاموش آنسو بہاتی قرۃ العین کی آواز اونچی ہو گئی۔
دیبا باورچی خانے سے دوڑتی باہر آئی اور دور ہی رک گئی۔
"امی!" شانو ماں کی سمت مڑی۔
"میں یہ صورت نہیں پہچان سکوں گی۔" انہوں نے تیل سے چپچپے ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھاما۔
"لیکن شانو۔" آنسو روکتے ہوئے انہوں لہجہ مضبوط کیا۔ "تم ہمیشہ یاد رکھنا، تم میری پیاری بیٹی ہو، مجھے بہت عزیز تمہاری ماں نے بہت پیار کیا ہے تمہیں، ہمیشہ کرتی رہے گی، کوئی بیماری اس سچ کو نہیں بدل سکتی میری جان۔" انہوں نے ایک ہاتھ اس کے سر پر رکھا۔
"امی!" شانو بھی رونے لگی۔ سلمان اور منیب ساتھ اندر داخل ہوئے تھے۔ باہر آوازیں سن کر انہوں نے دوڑ لگائی تھی۔
"کیا ہوا؟" منیب قرۃ العین کے پاس صوفے پر بیٹھ گیا۔ انہوں نے شانو کا چہرہ چھوڑا اور اسے حسرت سے دیکھنے لگیں۔
"تم بھی یاد رکھنا۔" انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور دوسرا ہاتھ اٹھایا۔

"سلمان۔" آگے آ کر سلمان نے ان کے ہاتھ تھامے اور ان کے دوسری طرف بیٹھ گیا۔
"میں سب بھول جاؤں لیکن تم یاد رکھنا، میں ہمیشہ تم سے محبت کرتی رہوں گی، میری ممتا میری دعائیں تب بھی تمہارے ساتھ ہوں گی، مجھ سے تو تصور بھی نہیں ہوتا کہ میری آنکھوں میں تمہارے لیے اجنبیت اترے گی۔" وہ رک گئیں۔
"امی!" کافی لمحے ان کے بولنے کا انتظار ختم نہ ہوا تو منیب نے پکارا۔
"کیا کہہ رہی تھی میں۔" وہ الجھی سی اسے دیکھنے لگیں۔ منیب کا دل جیسے کسی ٹرک کے نیچے کچلا گیا۔ شانو نے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی سسکیوں کو دبایا۔ سلمان کی گرفت ماں کے ہاتھ پر مضبوط ہو گئی۔ اس پل وہ سب وقت کی ریت کے مٹھی سے پھسلنے کے تجربے سے گزر رہے تھے۔ دیبا بھی ساکت سی اپنے ذہن میں سامنے کے منظر کا حصہ بن گئی تھی۔
"آپ شانو سے کمرے میں جا کر پڑھنے کا کہہ رہی تھیں۔" منیب نے آواز پر قابو پا کر کہا۔
"جا رہی ہوں میں۔" قرۃ العین اس کا چہرہ دیکھیں اس سے پہلے ہی وہ اپنی نوٹس اٹھا کر اندر چلی گئی۔
"مجھے بھوک لگی ہے، کھانا بن گیا؟" انہوں نے سامنے کھڑی دیبا سے پوچھا۔ سلمان اور منیب بھی اسے دیکھنے لگے۔
"ج۔ ابھی نہیں بنا۔ کک۔ کچھ دیر لگے گی۔" وہ ہکلائی۔ ذرا دیر پہلے انہوں نے کہا تھا آٹھ بجے پکانا شروع کرنا تاکہ سب ایک ساتھ کھانے بیٹھیں تو کھانا گرم ہو۔
"بہت غیر ذمہ دار ہو، کیسے گھر سنبھالو گی۔ جاؤ جلدی کرو۔ یہ دونوں بھی بھوکے ہوں گے۔" ان کا لہجہ تیز اور حاکمانہ تھا۔
"جی۔" وہ تیزی سے اندر چلی گئی۔
دادی اور ممانی کو کھانے کا ضیاع سخت ناپسند تھا پھر وہاں کوئی ایک وقت کے بچے کھانے کو دوسرے وقت ہاتھ بھی نہیں لگاتا تھا۔ یہاں بھی چند دن کے

بعد اسے میزان سمجھ میں آگیا تھا اور وہ کھانا اتنی مقدار میں ہی بناتی تھی کہ بچے نہیں۔
اس نے پیاز ٹماٹر نکالے اور ٹماٹر دھو کر پلٹی تھی کہ منیب اندر آیا۔
"ایسے وقت میں وہی جواب دیا کرو جس کی امی توقع کر رہی ہوں۔"
اسے بات سمجھ میں نہیں آئی اور یہ ناسمجھی اس کے چہرے پر پھیل گئی۔ اس کی چپ پر منیب نے اسے دیکھا۔
"میرا مطلب ہے، وہ بات نہ کیا کرو جس سے ان کا موڈ بگڑے یا ٹینشن ہو جیسے ابھی کہہ دیا ہوتا کہ ہاں کھانا بن گیا ہے۔"
"اور۔ اگر وہ۔ ابھی مانگ لیتیں تو؟" اسی خوف نے اس سے سچ کہلوایا تھا۔
"دوپہر کا دے دیتیں۔"
"دوپہر کا کچھ بچا ہی نہیں ہے۔" اس کا انداز اقبال جرم کرنے سا تھا۔ منیب نے بس ایک نظر اس پر ڈالی اور چپ ہو گیا۔

☆☆☆

انہیں بھی بیشتر عورتوں کی طرح گھر کے آرائشی سامان اور باورچی خانے کے لیے خوبصورت اور یکتا برتن اور کٹلری اکٹھا کرنے کا شوق تھا۔ اب جب بھی وہ باورچی خانے میں کیبنٹ کھول کر اپنے برتن دیکھتیں افسردہ ہو جاتی تھیں۔ ان کے لیے یہ خیال بڑا جان لیوا تھا کہ جب انہیں یاد نہیں رہے گا تو ان کا یہ خزانہ کس حال میں ہوگا۔ وہ ان چیزوں کے کم ہونے اور ٹوٹنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔
اس وقت بھی وہ سامنے رکھی ترکش ڈیزائن کی پلیٹ پر [illegible] پیار سے ہاتھ پھیر رہی تھیں۔ اندر آتی دیبا انہیں دیکھ کر [illegible]
"ادھر آؤ۔" انہوں نے اسے دیکھ کر کہا اور میز سے پلیٹ اٹھا کر کیبنٹ کے پاس آ گئیں۔
"یہاں جو برتن ہیں، یہ کسی خاص مہمان اور دعوت پر ہی نکالا کرو اور انہیں فوراً دھو کر خشک کر کے

www.pkdailyinfo.com
CamScanner

رکھ دیا کرو۔ یہ سب میں نے بڑے جتن اور محنت سے جمع کیے ہیں، کہاں کہاں سے نہیں منگوائے تھے۔" انہوں نے پلیٹ احتیاط سے اندر رکھی۔

"جب بھی نکالو، مکمل سیٹ ایک ساتھ نکالنا یہ نہیں کہ پلیٹیں ایک ڈیزائن اور باول دوسرے کلر اور ڈیزائن والے، ادھر جو گولڈن کٹلری ہے، اسے دھونے کے لیے عام کچن بار یا لیکوڈ یوز نہیں کرتے۔" وہ کہتے ہوئے ایک دم رک گئیں۔

انہیں احساس ہوا کہ وہ کن چیزوں کے بارے میں فکر مند ہو رہی ہیں۔ جب کہ وہ مستقبل قریب میں خود فراموشی تک پہنچ جائیں گی۔ ان کا انداز ایک دم ڈھیلا ہو گیا۔ انہوں نے کیبنٹ کا پٹ بند کیا اور چلی گئیں۔ دیبا ششدر سی وہیں کھڑی تھی۔

قرۃ العین نے کمرے میں پہنچ کر آنکھیں رگڑیں۔ وہ کیا کرتیں انہیں اپنی گرہستی کی معمولی اور چھوٹی سی بات کی بھی فکر تھی۔ انہوں نے یہ سنسار چٹکیوں میں نہیں سجایا بنایا تھا۔ گھر کے مکینوں کے ساتھ انہیں ان در و دیوار اور ان میں موجود ہر چیز سے پیار تھا۔ انہیں اپنے بعد انسانوں کے ساتھ ساتھ ان کی بھی فکر تھی لیکن اس پل انہیں ان بے جان چیزوں کے لیے اپنی فکر نادم کر رہی تھی کہ جب وہ شوہر اور بچوں کو نہیں پہچان سکیں گی تو یہ چیزیں کیا معنی رکھتی ہیں۔

وہ نڈھال سی پلنگ پر بیٹھ گئیں۔ آنسو خاموشی سے گالوں پر پھسل رہے تھے۔ اپنی بے بسی قبول کرنا آسان نہیں تھا۔ ایسے موقعوں پر بھی تو وہ چپ چاپ روتی رہتیں اور کبھی ان کا دل کرتا خوب چیخیں چلائیں، سب تہس نہس کر دیں۔

☆☆☆

"اعظم!" انہوں نے دھیرے سے پکارا۔ وہ انہیں ایسے میں بس [illegible] نام سے بلاتی تھیں۔

"ہمم۔" انہوں نے ان کی سمت کروٹ لی۔

"آپ کو پتا ہے، مجھے سب سے زیادہ ڈر کس بات کا ہے؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"دل [illegible]

"میں بھلے سب بھول جاؤں، کسی کو پہچانوں نہ لیکن اگر میں نے کسی پرانی، کسی آدھی ادھوری یاد یا بات سے آپ سب کا دل دکھا دیا تو؟" وہ بھی اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"میں نے سنا اور پڑھا ہے کہ ایسے مریضوں کو کبھی کبھی کچھ بھی یاد آجاتا ہے کہ وہ ان [illegible] ہو جاتے ہیں، کبھی کبھی اپنی فیملی کے لیے شرمندگی کا باعث بھی۔"

"ایک بات کا یقین رکھو ہم میں سے کوئی بھی کبھی تمہاری وجہ سے شرمندہ نہیں ہو سکتا چاہے کچھ ہو جائے اس لیے ایسا نہیں ہوگا۔ کیوں کہ ہم سب جانتے ہیں وہ آدھی ادھوری بات اور یاد ہوگی اور پھر ماضی میں تو ایسا بہت کچھ ہوا ہوتا ہے جو آگے اہمیت کھو دیتا ہے۔ ویسے تمہیں یہ خیال کہاں سے آیا؟"

"میں اس کے بارے میں سرچ کر رہی تھی تو۔"

"تم یہ سب نہ کرو پلیز۔" انہوں نے التجا سے کہا۔ "اس طرح تم پریشان اور فکر مند ہو، جو اچھی بات نہیں۔ ہم سب ہیں ناں۔ تمہیں خود سب علم [illegible] کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس جو وقت ہے سب کے ساتھ اسے انجوائے کرو اور آگے کیا ہوگا نہ سوچو۔"

"کیسے نہ سوچوں؟" وہ رونے لگیں۔ "اس کے علاوہ میرے دماغ میں اور کوئی بات ہی نہیں آتی۔" انہیں اس بارے میں سوچنے سے روکنا بھی زیادتی تھی۔

"تمہاری کسی بات سے ہمیں دکھ پہنچے گا یہ خیال تو ذہن سے نکال سکتی ہو ناں؟ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ اگر بچوں کے سامنے تم نے خدانخواستہ ایسا کچھ کہہ بھی دیا تو میرا وعدہ ہے میں سنبھال لوں گا، انہیں دکھی نہیں ہونے دوں گا میں ہر اچھی بری سچویشن ہینڈل کر سکتا ہوں، اتنا تو یقین ہے رکھو۔"

"اور آپ؟"

"مجھے تمہاری کس بات یا احساس سے تکلیف ہوگی بھلا؟ ہم تو [illegible] میاں بیوی نہیں رہے۔" وہ مسکرائے۔

"اتنے برسوں کی رفاقت کے بعد تمہیں کم از کم

میرے لیے قطعی پریشان اور فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔"

یہ سچ تھا۔ بچپن، لڑکپن اور جوانی ایک ہی محلے میں گزارنے کے بعد ان کی 'ارینج میرج' بہت خاص تھی۔ قرۃ العین نے ان کے بازو پر سر ٹکا دیا۔

"یہی ایک بات مجھے پاگل نہیں ہونے دیتی کہ میرے ساتھ آپ ہیں، میرے بعد آپ ہیں۔"

"بعد اور پہلے نہیں ہم ہر حال میں ساتھ ہیں بنی!" انہوں نے ان کے سر پر ہاتھ رکھا۔ "اور تم اتنا آگے کا کیوں سوچ رہی ہو، یہ تبدیلیاں بہت سلو ہوتی ہیں ابھی بہت وقت ہے ہمارے پاس۔"

لیکن ان کا یہ خیال غلط تھا۔ قرۃ العین کی دماغی صحت بڑی تیزی سے روبہ زوال تھی۔ ان کی بیماری اور ذہنی انحطاط کی رفتار تیز تھی۔

☆☆☆

اول دن تو اس کے ہاتھ پیر پھول گئے جب اس نے باورچی خانے میں قرۃ العین کو دیکھا۔ ہر سو چائے کی خوشبو پھیلی تھی۔ ایک طرف دودھ کا برتن دھرا تھا، سلیب پر رکھی کڑھائی بتا رہی تھی کہ کھانا بھی بنا چکی ہیں۔ انہوں نے ہاتھ میں پکڑا کھیرا مکمل کاٹ لینے کے بعد سلاد کی پلیٹ فریج میں رکھی اور سلیب صاف کرنے لگیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے۔ آگے بڑھ کر معافی مانگے یا ان کے ہاتھ سے گیلا پونچھا لے لے۔ وہ سانس روکے کھڑی تھی کہ وہ ہاتھ دھو کر پلٹیں۔

"میں بچوں کو اٹھاتی ہوں تب تک تم روٹی بنا کر ناشتہ لگا دو۔" وہ مصروف انداز میں کہتی جانے لگی تھیں کہ اس کے پاس پہنچ کر رک گئیں۔

"تینوں کے ٹفن بھی ریڈی کر دینا۔ سلاد فریج میں ہے، سلمان بھنڈی نہیں کھاتا، اس کے لیے رات کا سالن رکھا تھا فریج میں۔" اس نے سر ہلایا اور ان کے باہر نکلتے ہی رکا سانس بحال کیا۔

وہ ماضی کا کوئی دن جی رہی تھیں جب ان کے بچے اسکول جاتے تھے۔ انہیں اب رات کو نیند بھی کم ہی آتی تھی اس لیے شاید وہ اتنی جلدی جاگ کر باورچی خانے میں مصروف ہو گئی تھیں۔ ابھی گھر میں کوئی اور جاگا نہیں تھا۔ اچانک اسے خیال آیا، کہیں وہ بچوں کو جگانے نہ گئی ہوں، وہ فوراً باہر آئی۔ سب کے کمروں کے دروازے بند تھے اور کہیں سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔

"شاید کمرے میں جا کر سو گئی ہیں، اتنا کام جو کر لیا ہے۔" اس نے خود ہی اندازہ لگا لیا۔

وہ آٹا گوندھتے اور پھر پراٹھے بناتے ہوئے منتظر رہی کہ وہ دوبارہ آئیں گی لیکن وہ نہیں آئیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے اپنے لیے چائے نکالی اور پہلا گھونٹ لیتے ہی تھم گئی۔ چائے میں چینی نہیں تھی۔ جیسے تیسے وہ گھونٹ معدے میں منتقل کرتے ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ سے کڑھائی کا ڈھکن اٹھایا۔ سبزی کے نام پر کچھ تیل کی موجودگی کے ثبوت کے ساتھ وہاں پیاز اور بھنڈی تھی۔

اس نے چائے اور بھنڈی کو 'درست' کیا اور پھر چائے کا کپ لیے اپنی مخصوص جگہ بیٹھ گئی۔ کیبنٹ سے ٹیک کر آزادی سے سامنے پیر لمبے کرنے کی عیاشی اسے اب پسند آنے لگی تھی۔ اسے اچھا لگتا تھا کہ جہاں وہ کام کرتی ہے، اس کمرے میں اسے مکمل آزادی میسر ہے۔ دادی کے گھر کی طرح ان ماں بیٹی پر نظر رکھنے کو کوئی نہ کوئی آنہیں دھمکتا نہ یہاں چینی اور گھی کے ڈبے دیکھ کر تنبیہ کی جاتی تھی۔ یہاں اس کے لیے ستانے کا وقت اور جگہ تھی۔

"امی کو آج پھر اکیلے سب کا ناشتہ بنانا پڑے گا۔" چائے کے دو گھونٹ بھرنے تک ہی اس کا فرحت بخش احساس قائم رہ پایا تھا۔ اس گھر میں آنے کے بعد جہاں وہ اپنی موجودہ صورت حال میں ذرا سا خوش ہوئی فوراً ہی ماں کا خیال اسے شرمندہ و رنجیدہ کر دیتا۔ اسے یہاں مل رہی رعایت اور آزادی نادم کرنے لگتی کہ عابدہ تو اب بھی اسی جگہ تھیں۔ تیسرے گھونٹ کے ساتھ آنسو گال پر لڑھک آیا۔

وہ دروازے سے دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اب

www.pkdailyinfo.com
CamScanner

بھی جب وہ آئی لینڈ کاؤنٹر کے آگے آیا تو اس پر نظر پڑی۔ وہ آہٹ پر ہی کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے گھبرا کے دیوار پر ٹنگی گھڑی کو دیکھا کہ کہیں اس سے غلطی تو نہیں ہوگئی لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ منیب آج جلدی اٹھ گیا تھا اور اپنے تئیں وہ خود ہی اپنا ناشتہ بنانے باورچی خانے میں آیا تھا۔ اس کی موجودگی اس کے لیے بھی حیران کن تھی۔ کاؤنٹر اور چولہے پر دھرے برتن دیکھ کر وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"چائے دینا۔" اس نے اپنا کپ رکھ کر چولہا جلایا۔ آج پہلی بار اس نے چائے مانگی تھی ورنہ وہ اس کی موجودگی میں بھی خود ہی بنا لیتا تھا۔

"پہلے تم پی لو۔" اس نے یوں سر ہلایا گویا کہہ رہی ہو، پی لی۔

"ٹفن کوئی نہیں لے جاتا، اس لیے اتنی صبح صبح اٹھ کر کھانا بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس کے کہنے کا انداز اگر مختلف ہوتا تو یہ جملہ حساس بندے کی پروا اور مروت ظاہر کرنے والا تھا۔ دیبا بھی اپنی سچائی سے اس قدر باخبر تھی کہ کبھی غلطی سے بھی کوئی بات یا جملہ اسے التفات نہیں لگتا تھا۔

چائے چھانتے ہوئے وہ آج کا واقعہ اس کے گوش گزار کرے یا نہیں اس شش و پنج میں تھی۔ چند پل بعد اس نے چائے کا کپ اور طشتری میں کوکیز میز پر رکھیں۔ منیب کوکیز دیکھ کر چونکا تھا۔

"اسے کیسے علم ہوا؟ شاید امی یا شانو نے کہا ہوگا۔" اپنے قیاس پر اس کا اپنا یقین ہی ڈھل مل تھا۔

"میں کچن میں آئی تو اس سے پہلے ہی پھپھو یہاں موجود تھیں۔ انہوں نے چائے اور سبزی بنالی تھی، سلاد کاٹ کر فریج میں رکھا ہے اور مجھے سب کے ٹفن کے لیے روٹی بنانے کی ہدایت دے کر گئی ہیں۔" اس نے کپ واپس رکھ دیا۔ وہ اپنی الجھی سوچ کے ساتھ دیبا کو دیکھے جا رہا تھا۔

"ابھی کہاں ہیں امی؟" خیالات کی یورش کے بیچ اس نے غائب دماغی سے سوال داغا۔

"[illegible]" وہ اٹھ کر تیزی سے باہر نکلا۔

بنا آہٹ کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ سامنے بستر پر سو رہی تھیں۔ وہ سست قدم اٹھاتا پاس آیا اور ان پر لحاف ڈال کر کنارے بیٹھ گیا۔

عجیب سی بے بسی میں لپٹا دکھ اس کے اندر تھم گیا تھا۔ ہر گزرتی ساعت ان کے درمیان اجنبیت اور فاصلہ پیدا کر رہی تھی۔ وہ پل سوچ کر ہی اس کا سانس رکنے لگتا تھا جب ان کی آنکھوں میں شناسائی کی رمق بھی نہ ہوگی۔

☆☆☆

اس رات کھانے کے بعد جب وہ باورچی خانہ سمیٹ رہی تھی تو ایک بار پھر منیب چلا آیا۔

"اب سے ماچس، لائٹر، نائف جیسی چیزوں کو ایسی جگہ رکھا کرو جہاں وہ امی کی [illegible] گیس [illegible] سوئچ آف کروا دو۔" ادھر ادھر نظر [illegible] نے فریج پر لگے پھلوں کی شکل کے میگنیٹ [illegible] دان میں پھینک دیے۔

"کچن اور کوریڈور کی لائٹس آن ہی رہنے دیا کرو، اس کے علاوہ۔" وہ قرۃ العین کے ڈاکٹر سے مل کر آیا تھا اور اب اس کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے اسے بھی سمجھا رہا تھا۔

قرۃ العین کی نیند کم ہوگئی تھی۔ انہیں رات میں نیند نہیں آتی تھی اگر سو بھی جاتیں تو علی الصبح اٹھ جاتیں۔ سلمان اور شانو کی اپنی مصروفیت تھی اور جب بھی قرۃ العین کے کسی مسئلے پر بات ہوتی تو شانو پریشان ہو کر رونا شروع کر دیتی۔ منیب نے اب اس کے سامنے یہ ذکر چھیڑنا ہی بند کر دیا تھا۔

اس وقت بھی وہ کمرے سے نکل کر لان میں بیٹھی پڑھ رہی تھی کہ اچانک رونے لگی۔

"شانو!" وہ اسی وقت آیا تھا۔

"کیا ہوا، رو کیوں رہی ہو؟"

"بھائی! میں نے کل پورا چیپٹر یاد کیا تھا، ابھی ریوائز کرنے بیٹھی تو لگ رہا ہے، پہلی بار پڑھ رہی ہوں۔ کیا میرا دماغ بھی امی جیسا ہو رہا ہے؟" بات

قہقہہ لگا کر اڑانے والی تھی لیکن وہ بمشکل مسکرا سکا۔

"پاگل!" منیب نے اس کے سر پر چپت لگائی۔ "یہ بہانا نہیں چلے گا، محنت کرو۔ ڈاکٹر ایسے ہی نہیں بن جاتے۔" شانو نے منہ بنایا۔

"پہلے ایسا نہیں ہوتا تھا، اب ہی ہو رہا ہے میرے ساتھ اور الزائمر میں جینیٹکس اور فیملی ہسٹری بھی تو اہم رول پلے کرتی ہے۔"

"ہماری فیملی میں دور دور تک امی پہلی پیشنٹ ہیں اس لیے جینیٹکس اور فیملی ہسٹری کو اتنی اہمیت دینے اور سوچنے کی ضرورت نہیں۔ پہلے تم نے کبھی توجہ نہیں دی اب سوچ رہی ہو ورنہ پہلی بار میمورائز کیے آنسرز جلد بھول جاتے ہیں، وہ پکے کئی بار ریوائز کرنے پر ہی ہوتے ہیں۔" اس نے اسے اپنے طور پر مطمئن کر دیا تھا لیکن وہ اکثر اس قسم کے اندیشوں کا اظہار کرنے لگی تھی۔

سب ہی اپنے طور پر گوگل سرچ کر کے اپنی معلومات بڑھانے کے ساتھ ساتھ انجانے اندیشوں اور متوقع تبدیلیوں سے خوف زدہ تھے۔ وہ سب اپنے تئیں آنے والے وقت کے لیے تیار کر رہے تھے۔

☆☆☆

قرۃ العین اب بھی رات میں یا علی الصبح اٹھ کر باورچی خانے جاتی تھیں۔ منیب اپنے کمرے کا دروازہ کھلا رکھنے لگا تھا۔ اس کا کمرہ باورچی خانے سے قریب تھا۔

اس رات بھی وہ جاگ رہا تھا کہ گرنے کی آواز پر باہر نکلا۔ قرۃ العین باورچی خانے اور ڈرائنگ روم کی درمیانی راہداری کے اختتام پر بنی تین سیڑھیوں کا اندازہ نہیں کر پائیں یا پھر بھول گئی تھیں کہ وہاں سیڑھیاں ہیں۔ پیر غلط پڑا، توازن بگڑا اور وہ فرش پر آ رہیں۔

کچھ پل بعد ہی اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر دیبا بھی باہر نکلی۔ انہیں زمین پر دیکھ کر وہ ان کی سمت دوڑی۔ اسے دیکھ کر منیب کو حیرت اور اطمینان دونوں نے گھیرا تھا۔ انہوں نے مل کر قرۃ العین کو اٹھایا۔

"کلائی سوج رہی ہے۔" انہیں صوفے پر بٹھانے کے بعد دیبا نے دھیرے سے کہا۔

"بہت درد بھی ہے۔" قرۃ العین کے چہرے پر کرب کے آثار تھے۔ انہوں نے چہرہ فرش سے نہ ٹکرائے اس کوشش میں ہاتھ زمین پر ٹیکا تھا۔

"ابھی اسپتال چلتے ہیں امی۔" اس نے قرۃ العین کی کلائی دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں پھپھو کی چادر لے آتی ہوں۔" وہ ان کے کمرے کی سمت بڑھ گئی۔

اتنی رات گئے وہ انہیں اسپتال لے گئے۔ شانو یا سلمان کو اٹھانے کے بجائے اس نے دیبا کو ہی ساتھ لے لیا تھا۔ وہاں ایمرجنسی میں ایکسرے کے بعد فریکچر کی تصدیق ہوگئی۔ وہ ان کے ہاتھ پر پلاسٹر لگوا کر گھر آئے تب صبح کے ساڑھے چار ہو رہے تھے۔

"آپ چائے لیں گے؟" وہ دونوں نیم خوابیدہ سی قرۃ العین کو کمرے میں بستر پر سلا کر باہر نکلے تو آگے جا رہا منیب اس کی آواز پر پلٹا۔ اسے اس وقت چائے کی شدید طلب تھی۔ وہ تو جاگ رہا تھا مگر دیبا گرنے کی آواز پر نیند سے اٹھ کر باہر آئی تھی۔ اس کے سلوٹ زدہ کپڑے اور ڈھیلی سی چوٹی سے نکل کر ادھر ادھر بکھرے بال اس کے گواہ تھے تاہم اس وقت وہ نیند غائب تھی جو اسپتال جانے سے پہلے اس کے چہرے پر بکھری تھی۔

"ہمم۔" اس نے کہا اور دیبا سے پہلے باورچی خانے میں داخل ہو گیا۔ وہ پیچھے کرسی پر بیٹھا تھا اور دیبا اس کی موجودگی میں چائے بناتے ہوئے حد درجہ زود حس اور گھبرائی سی تھی۔ منیب کے فون کی بیٹری ڈیڈ ہو گئی تھی، اس لیے وہ ہاتھ باندھے بیٹھا تھا۔

اس کے سامنے چائے کا کپ اور کوکیز کی طشتری رکھ کر وہ جانے لگی تھی کہ منیب بولا۔

"تمہاری چائے؟" یہ قطعی غیر متوقع سوال تھا۔ وہ مضطرب سی کھڑی رہ گئی۔

"تم نے اپنے لیے نہیں بنائی؟" اس نے

www.pkdailyinfo.com

CamScanner

سادگی سے پوچھا۔
"بنائی ہے۔" وہ منمنائی۔
"تو بیٹھ کر پی لو۔" اس نے اپنا کپ اٹھایا۔ دوست سے قدم اٹھاتی واپس چولھے کے پاس آئی اور کپ میں اپنے لیے چائے نکال کر کپ لیے اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ منیب نے کوکیز والی طشتری اس کے آگے کی۔ اسے خواہش تھی یا نہیں اس سے قطع نظر وہ اس پیشکش کو ٹھکرانے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ اسے یہ ہی جتایا گیا تھا اس پر کی جانے والی ہر مہربانی اسے سر جھکا کر قبول کرنی ہے۔ اس نے جھجکتے ہوئے ایک کوکی اٹھائی۔ منیب نے ایک نظر اس پر ڈالی اور تیزی سے چائے کے گھونٹ بھر کے کپ خالی کیا۔
"تھینک یو۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا اور دیبا نے جھٹکے سے حیران آنکھیں اٹھائیں۔ اس میں شکریے کی کیا بات تھی۔ وہ تو اسی لیے یہاں بھیجی گئی تھی۔ منیب نے اس کی بے ساختہ حرکت اور حیرت محسوس کی۔ وہ مزید کچھ کہے بغیر چلا گیا۔ دیبا نے ہاتھ میں پکڑی کوکی کو دیکھا پھر منیب کے خالی کپ کو اور زیر لب بڑبڑائی۔
"تھینک یو۔"

☆☆☆

اس کے بعد جب تک ان کا پلاسٹر نہیں نکلا، قرۃ العین کے سارے کام دیبا کے ذمہ ہو گئے تھے۔ ان کا منہ دھلانے سے لے کر کپڑے تبدیل کرنا، بال بنانا سب کچھ۔ قرۃ العین کا رویہ بھی اب اس کے ساتھ تحکمانہ اور سرد نہیں رہا تھا۔ انہیں ہر ایک کام کے لیے دوسرے کی احتیاجی بھی جھنجلاہٹ میں مبتلا کرتی تو کبھی عاجزی میں۔ کبھی وہ تنے چہرے کے ساتھ اس سے کام کرواتیں تو کبھی ان کے انداز میں نرمی اور شفقت ہوتی۔
شانو کے امتحان بھی ہو گئے تھے۔ اس کے بعد 'نیٹ' (میڈیکل کے لیے لازمی انٹری ٹیسٹ) سے فارغ ہوئی تو ماں کے کام وہ بھی کرنے لگی۔ کبھی وہ اسے کرنے دیتیں ... کبھی ... کرتے ... کرے

گی۔ جب انہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا یا کچھ کرتے سوچتے ہوئے وہ الجھ جاتیں تو رونے لگتیں۔
"یہ سب کیا ہونے لگا ہے میرے ساتھ؟"
"کچھ بھی تو نہیں پھپھو۔ سب کچھ تو ٹھیک ہے۔" وہ ان کے کمرے کے پردے بدل رہی تھی جب الماری کھول کر کھڑی قرۃ العین کو کوشش کے باوجود یاد نہیں آیا کہ انہیں اندر سے کیا چاہیے تھا۔
"آپ نے یہ پردے نکال کر دیے ہیں مجھے لگانے کے لیے۔ اب الماری بند کر دیں۔" ان کے ہاتھ کا پلاسٹر ابھی نکلا نہیں تھا۔
"میں نے دیے ہیں؟" وہ الجھ کر دیکھنے لگیں۔
"جی۔" اس نے اتارے ہوئے پردے دونوں ہاتھوں سے سمیٹے۔
"اور آپ نے کہا ہے کہ اب اس گھر کو نئے پردوں کی ضرورت ہے۔"
"ہاں۔" انہوں نے کھڑکی پر جھول رہے میرون پردوں کو دیکھا۔
"چلو، ابھی چلتے ہیں مارکیٹ۔" وہ ایک دم تیار ہو گئیں۔
"تم شانو سے پوچھ لو اسے چلنا ہے تو اسے بھی ساتھ لے لو۔" وہ الماری سے اپنا پرس نکالنے لگیں۔
پھر شانو اور اس کے ساتھ مل کر انہوں نے سارے گھر کے لیے پردے کا کپڑا پسند کیا اور وہاں سے درزی کو لے کر گھر لوٹیں جو سب کھڑکیوں کے ناپ اور ڈیزائن لے کر گیا۔
"تمہارے کمرے کے پردے میں نے اس بار لائٹ بلیو لیے ہیں۔" رات کھانے کے دوران انہوں نے منیب سے کہا اور شانو نے پانی کا جگ میز پر رکھ رہی دیبا کو دیکھا۔ انہوں نے سب سے زیادہ وقت منیب کے کمرے کے پردوں کا رنگ منتخب کرنے میں لگایا تھا کہ اسے گہرے رنگ کے پردے پسند تھے۔ آخر میں انہوں نے گہرا سرمئی رنگ چنا تھا۔
"اچھا کیا کمرے کو چینج کی ضرورت تھی۔" اس نے بھی ماں کو خوش کرنے والا جملہ ادا کیا۔

سب وقت کی چال سے قدم ملانا سیکھ گئے تھے۔ وہ اب قرۃ العین کی باتوں کی نفی یا اس سے اختلاف نہیں کرتے تھے۔

☆☆☆

اس بار اعظم میر آئے تو دونوں باپ بیٹا بڑی دیر تک قرۃ العین اور گھر میں رونما ہو رہے واقعات پر تبادلہ خیال کرتے رہے اور آخر میں یہ طے ہوا کہ اب انہیں والینٹری ریٹائرمنٹ لے کر ہمیشہ کے لیے گھر آ جانا چاہیے۔ ان کی نوکری کے دو سال باقی تھے لیکن اب گھر کو اور قرۃ العین کو ان کی ضرورت تھی جو ہمیشہ ان کی پہلی ترجیح تھیں۔ وہ زیادہ وقت اپنی محبوب بیوی کے ساتھ گزارنا چاہتے تھے۔
قرۃ العین کے گرنے اور فریکچر کے بعد سے ہی اعظم میر اس بات کو سوچ رہے تھے کہ قرۃ العین کے ساتھ کسی کا ہمہ وقت رہنا لازمی تھا۔ وہ رات کے کسی بھی پہر اٹھ کر باورچی خانے میں چلی جاتیں تو کبھی اٹھ کر لان میں نکل جاتیں۔ گیٹ کو مقفل کر کے چابی کی جگہ بدل دی گئی تھی۔
"جب تک میں نہیں آ جاتا، دیبا کو عینی کے کمرے میں سونے دو۔" اعظم کو اب انہیں تنہا چھوڑنا گوارا نہ تھا۔
"امی مانیں گی نہیں۔"
"میں کسی طرح منا لوں گا تم دیبا سے کہہ دو۔"
"امی مان جائیں تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔"
"ویسے دیبا نے گھر کو احسن طریقے سے سنبھالا ہوا ہے، وہ نہ ہوتی تو پتا نہیں کیا بنتا اس گھر کا۔" ان کی آواز میں تشکر تھا۔
"کچن ہی تو دیکھنا ہوتا ہے، باقی کام تو کر لیتی ماسیاں ہیں۔" اس کی نظر میں دیبا کا تعاون یا حصہ اتنا نہیں تھا جتنا اعظم میر اس کے ممنون ہو رہے تھے۔
"بیٹا! اس نے ہماری پسند ناپسند اور کھانے کے معاملے میں سب کی عادت اور طریقے کسی کی مدد کے بنا خوبی اور جلدی سے سمجھ لیے۔ بنا کسی بدمزگی اور چیخ و پکار کے اس قدر آسانی سے سب چلے گا مجھے

یقین نہیں تھا۔ چند دن ہی کُک کا پکایا کھایا تھا اور یاد ہے وہ ہفتہ، کچن کا کیا حال تھا گندے برتن، افراتفری۔ مشکل میں جو احساس کرائے بنا ہمارے لیے آسانیاں پیدا کرے، اس کی قدر کرنی چاہیے۔"
"جی۔" ان کی آخری بات اس کے دل کو لگی تھی۔ اس کے تصور میں کوکیز کی طشتری گھوم گئی۔
اور یہ ان کی بات کا اثر تھا کہ وہ آج دروازے سے ہی دبے پاؤں اندر آیا۔ حسب معمول وہ اپنی جگہ بیٹھی اس کا انتظار کرتے ہوئے سر ٹکا کر سو رہی تھی۔ وہ اس کی آہٹ پر جاگ جاتی تھی۔ اسے ایک بار پھر اپنے پاپا کی بات یاد آئی۔
"مشکل میں جو احساس کرائے بنا ہمارے لیے آسانیاں پیدا کرے، اس کی قدر کرنی چاہیے۔" وہ بنا آواز کیے ہی اپنے لیے کھانا نکالنے کا سوچ رہا تھا لیکن وہ اس قدر حساس تھی کہ اس کی مسلسل نظر بھی اسے جگا گئی۔
"سوری!" وہ ہڑبڑا کر کھڑی ہوئی۔ منیب پیچھے جا کر کرسی پر بیٹھ گیا۔
اس نے جب منیب کے آگے میز پر کھانا رکھا تو اس نے اچانک سر اٹھایا۔
"آئندہ سے میرا ویٹ نہ کیا کرو، کچن کے کام ختم ہو جائیں تو کمرے میں سو جایا کرو۔" نیند سے بوجھل اس کی آنکھیں اور سوئے سوئے چہرے پر ایک دم پریشانی پھیل گئی۔
"سوری، بس ابھی آنکھ لگ گئی تھی، آئندہ نہیں سوؤں گی۔" اس کے انداز میں لجاجت تھی۔
"میں غصے سے نہیں کہہ رہا ہوں۔" اس کا ارادہ اتنی دیر تک اسے دیکھتے ہوئے بات کرنے کا نہیں تھا لیکن اس کی آنکھیں اسی پر جمی تھیں۔ اس بار اس کے سادہ لہجے میں ہلکی سی نرمی تھی۔
"مجھے کبھی کبھی بہت دیر ہو جاتی ہے اور تمہیں صبح جلد اٹھنا بھی ہوتا ہے۔ میں خود کھانا لے سکتا ہوں۔"
اس بار وہ چپ رہی۔ کھانا گرم کرنے کے بعد

www.pkdailyinfo.com
CamScanner

اس کے سامنے رکھا تو مثیب نے حکم دیا۔
"جاؤ سو جاؤ۔" اس نے توجہ پلیٹ پر مرکوز کی اور کھانے لگا۔
وہ جانتا تھا کہ وہ اس کے کھانا کھانے کے بعد برتن دھو کر کمرے میں جاتی تھی۔ دیبا چند پل تعجب سے اسے دیکھتی رہی۔ اسے جھوٹے برتنوں کا خیال آیا۔ کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر سختی سے بند کر لیا۔ کیا پتا کس بات پر مزاج برہم ہو اور ڈانٹ پڑ جائے اس سے بہتر تھا چپ چاپ وہاں سے چلی جائے۔
بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کرتے ہوئے اس نے سوچا۔
"ویسے انہوں نے کبھی مجھے ڈانٹا نہیں ہے۔"
☆☆☆
اعظم میر جانے سے پہلے ان سے کہہ گئے تھے دیبا اب سے ان کے کمرے میں سوئے گی۔
قرۃ العین نے پہلے دن تو کچھ نہیں کہا۔ وہ ان کے کمرے میں دروازے کے آگے اپنا بستر لگا کر سو گئی تھی تاہم اگلے دن جب وہ اپنا مختصر بستر لے کر وہاں پہنچی تو وہ پچھلا دن بھول گئی تھیں۔
"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" ان کی پیشانی پر ناگواری کی لکیریں نمایاں تھیں۔
"میں یہاں سونے آئی ہوں پھپھو۔ کل بھی تو یہیں سوئی تھی۔" ان کے بدلے انداز پر وہ ڈر گئی۔
"تم کیوں سوؤ گی یہاں؟ تمہیں جگہ دی ہے نا سونے کی۔" وہ پلنگ سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھیں، دیبا ایک طرف ہو گئی۔
"مثیب!" انہوں نے باہر جا کر اونچی آواز میں پکارا۔ گھبرایا سا مثیب گرتا پڑتا اپنے کمرے سے باہر نکلا۔ وہ اب اپنے کمرے کا دروازہ کھلا ہی رکھتا تھا۔
"یہ کیوں یہاں سونے آئی ہے؟" وہ قریب پہنچ کر کیا ہوا پوچھتا اس سے پہلے ہی انہوں نے سوال کیا۔
"پاپا نے کہا تھا نا امی۔"
"وہ تم [illegible]

"اس بار وہ آئے تھے تو آپ کئی بار رات میں نیند سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔ پاپا جاگ جاتے تھے اور آپ کو دوبارہ بیڈ پر لے آتے تھے، ان کے ایبسینس میں انہوں نے دیبا کو آپ کے پاس سلانے کہا ہے۔" اس نے بات کرتے ہوئے ان کے شانوں پر دونوں ہاتھ رکھے تھے۔
"آپ آرام سے سوئیں۔ اگر نیند میں آپ باہر جانے لگیں گی تو دیبا آپ کو دوبارہ بیڈ تک لے آئے گی۔ بس اتنی سی بات ہے، آئیں۔" وہ انہیں لیے اندر آیا۔ دیبا دروازے کے پاس بستر سینے سے لگائے کھڑی تھی۔
"یوں سمجھیں، آپ کے علاوہ کمرے میں کوئی نہیں ہے، لیٹ جائیں۔" اس نے انہیں بستر پر بٹھا کر کہا۔ وہ لیٹ گئیں۔ مثیب نے ان پر لحاف ڈالا۔
"اب آپ سو جائیں اور کچھ نہ سوچیں۔ پاپا نے کہا ہے ناں، وہ اب ہمیشہ کے لیے آ رہے ہیں تو بس کچھ دن ہی دیبا یہاں ہو گی۔"
"ہمم۔" وہ کبھی اس طرح فوراً رام ہو جاتی تھیں اور کبھی کسی صورت سننے تیار نہ ہوتیں۔ اس نے بتی بجھا کر نائٹ بلب جلایا۔ پلٹا تو وہ یونہی سہمی سی کھڑی تھی۔
"سو جاؤ۔" باہر نکلنے سے پہلے اس نے نرمی سے کہا تھا۔ اس کی صورت پر ذرا سی بات پر بھی وہ سراسیمگی اور گھبراہٹ چھا جاتی تھی کہ اس کا لہجہ خود بخود ملائم ہونے لگا تھا۔
جانے وہ ان کے کمرے میں اس کی کون سی رات تھی جب اچانک انہوں نے پکارا۔
"بیا!" اس نے سنا لیکن سمجھ نہیں پائی۔ وہ اس کی سمت کروٹ لیے اسے دیکھ رہی تھیں۔
"بیا...... وہاں کیوں سوئی ہو؟ ادھر اوپر آ جاؤ، جگہ ہے یہاں۔" انہوں نے خود پیچھے دیوار کی طرف سرکتے ہوئے کنارے پر اس کے لیے جگہ بنائی۔
"آؤ۔" انہوں نے خالی جگہ پر ہاتھ رکھا۔
اسے ان کی بات ماننے اور سننے کا حکم تھا سو وہ اپنا تکیہ

اور دری ایک طرف چھوڑ کر، چادر لیے ان کے بازو میں لیٹ گئی۔
"یہ بیا کون ہے؟" اس نے آنکھ بند کر کے سوچا۔ اس کے بعد قرۃ العین نے مزید کچھ نہ کہا۔ وہ کروٹ بدلتے ہوئے آنکھ کھلنے پر اس سے مخاطب ہوئی تھیں اور اب پھر نیند میں ڈوبی تھیں۔
☆☆☆
دو مہینے بعد اعظم سبک دوش ہو کر گھر آ گئے۔ اس دوران قرۃ العین کو دیبا میں اپنی کزن اور سہیلی بیا نظر آنے لگی تھی۔ اعظم کے آنے کے بعد گھر میں کچھ تبدیلیاں ظاہر ہونے لگی تھیں۔ جس میں سب سے بڑی یہ تھی کہ وہ دیبا کو اہمیت دیتے تھے، اس سے محض کام کی بات نہیں کرتے بلکہ اس کا احوال پوچھتے تھے اور ادھر کی غیر اہم بات بھی کر لیا کرتے۔ اس کی امی سے اس کی بات ہوئی ہے یا نہیں، وہ کیسی ہیں، وہ سب پوچھتے رہتے۔ اسے یاد اور پابندی سے سلمان یا مثیب کے ساتھ عابدہ سے ملنے دادی کے گھر بھیجتے تو کبھی عابدہ کو ادھر بلوا لیتے۔
جب وہ میز پر سب کچھ رکھ دینے کے بعد باہر جانے لگی تو انہوں نے پکارا۔
"تم نے کھانا کھا لیا ہے؟"
"ابھی نہیں۔" وہ عشاء پڑھنے جا رہی تھی۔ ان سب کے کھانا کھا کر چلے جانے کے بعد وہ میز اور باورچی خانہ سمیٹنے کے بعد کھانا کھاتی تھی۔ یہ ہی اس کا معمول تھا۔
"تو بیٹھو، سب کے ساتھ ہی کھا لیا کرو۔"
وہ تو چونکی ہی ساتھ سب بھی لمحہ بھر کو رک گئے۔ یہ تو کبھی کسی نے سوچا نہ تھا وہ کب کھاتی ہے۔ کھاتی بھی ہے یا نہیں۔
"آؤ۔" قرۃ العین نے سادہ سے لہجے میں کہا۔ شانو، سلمان، مثیب سب مختلف تاثرات لیے دیکھ رہے تھے۔ وہ واحد خالی کرسی کھسکا کر اس پر بیٹھ گئی۔ بازو میں بیٹھے مثیب نے درمیان سے خالی پلیٹ اٹھا کر اس کے آگے رکھی۔ شانو نے سالن کا پیالہ، اعظم میر نے روٹی والا ہاٹ پاٹ اور چاول باری باری اس کے قریب رکھے۔ وہ سب اپنی باتوں میں مشغول ہو گئے تھے لیکن اسے بار بار آنکھیں صاف کرنا پڑ رہی تھیں۔
"ہمیشہ کی طرح سب کچھ مزے دار تھا بیٹا۔" اعظم میر نے اسے دیکھا۔ وہ خفیف سا آگے جھک کر مسکرا دی۔ وہ یگانگت کے اظہار کا کوئی موقع نہیں گنواتے تھے۔
وہ سب ایک ساتھ ہی باورچی خانے سے نکلے تھے۔ اس نے گہری سانس لے کر خود کو سنبھالا لیکن یہ اپنائیت اور عزت حاصل کرنے کا پہلا پہلا تجربہ اس کے ننھے سے دل کے لیے بڑا بھاری تھا۔ وہ بچپن سے آج تک اپنی امی کے ساتھ باورچی خانے کے فرش پر بیٹھ کر کھاتی آئی تھی۔ ناشتہ تو چلتے پھرتے ہوتا تھا۔ اس کی امی کو احتجاج کرنا آتا تھا نہ اپنا حق لینا تو وہ دوسرے سے اپنی عزت کیسے کرواتیں۔
جب میکے نے انہیں باور کروا دیا تھا کہ انہیں بیوگی کے بعد بھی سسرال میں ہی رہنا ہے تو وہ اچھی طرح جان گئی تھیں کہ دنیا میں سر چھپانے کے لیے اس گھر کے علاوہ کوئی اور ٹھکانہ نہیں ہے۔ انہوں نے اسے بھی اطاعت گزاری اور خاموشی کا ہی درس دیا تھا لیکن اسے رویے برے لگتے تھے اور ان کی خود غرضی اور مطلب پرستی زہر۔ اس کے اندر اپنی دبی کچلی ذات کا دکھ تھا لیکن اسے ان سب کے اظہار کا سلیقہ نہیں تھا۔ وہ تو کبھی اپنی ماں سے بھی نہیں کہتی تھی کہ اسے یہ سب اچھا نہیں لگتا ہے۔
وہ زندگی میں پہلی بار ان کے ساتھ، ان کے اونچے مقام کے برابر بیٹھی تھی جن کے لیے وہ صبح سے شام تک مشقت کرتی تھی، جنہیں آرام پہنچانے کے لیے وہ بے آرام رہتی تھی اور اس پل اسے ادراک ہوا کہ یہی بدلہ اور معاوضہ تو اس کی خواہش تھا۔
اپنا ایئر پوڈ میز پر بھول چکا مثیب واپس اندر آیا تو وہ جو دونوں ہاتھ سے چہرہ ڈھانپے رو رہی تھی آہٹ پر سٹپٹا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے یہ بھی نہیں

www.pkdailyinfo.com
Watermarkly
CS CamScanner

دیکھا تھا کہ کون آیا ہے۔ چہرے پر ہتھیلیاں پھیرتے ہوئے اس کا سر مزید جھک گیا تھا۔ اس کے پیچھے سے گزر کر منیب نے ایئر پوڈ اٹھایا اور اس پر اچٹتی نظر ڈالتا باہر نکل گیا۔

☆☆☆

شانو کا نتیجہ آیا تو بورڈ میں اس کے نمبر ٹھیک تھے لیکن 'میٹ' میں نمبر اتنے نہیں ملے تھے کہ 'ایم بی بی ایس' میں داخلہ مل پاتا۔ اس نے ایک سال کا وقفہ لے کر دوبارہ 'میٹ' دینے کا فیصلہ کیا۔

اس نے 'میٹ' کے لیے باقاعدہ کوچنگ لی تھی مگر اب وہ دوسرے انسٹیٹیوٹ میں داخلہ لینا چاہتی تھی۔ منیب نے ہامی بھر لی تھی کہ اگلے دن اس کا داخلہ کروا دے گا لیکن رات میں وہ اس کے پاس آئی۔

"مجھے پونا میں ایڈمیشن لینا ہے بھائی۔" اس کی بات پر سب ہی چونک گئے۔

"یہاں مل رہا ہے تو پھر کیوں۔"

"میں نے کہہ دیا مجھے پونا ہی جانا ہے وہاں انسٹیٹیوٹ کا ہاسٹل بھی ہے۔ میں نے سب معلوم کر لیا ہے۔ آپ بس میرے ساتھ چلیں، پرسوں جانا ہے۔"

"لیکن شانو۔"

"ٹھیک ہے بیٹا! جانے کی تیاری کرو۔" اعظم میر نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے بیٹی کو نرمی سے کہا۔ وہ واپس کمرے میں چلی گئی۔

"پاپا! آپ بھی۔ یہاں بیسٹ انسٹیٹیوٹ ہے پونا سے بھی اچھا۔"

"بات اچھے برے کی نہیں ہے، شانو کو گھر سے بریک چاہیے۔"

ان کی بات میں اتنے الیے چھپے تھے کہ وہ ایک دم خاموش ہو گیا۔

اس کی خواہش کے مطابق اسے پونہ میں داخلہ مل گیا تھا۔ اور وہ اپنا سامان لیے ہاسٹل رہنے چلی گئی۔ اس نے عجیب روٹھے اور پھولے منہ سے تیاری کی تھی۔ حالاں کہ وہ جا اپنی مرضی سے رہی تھی تاہم انداز [illegible] اسے [illegible] جا رہا ہو۔

قرۃ العین کا رویہ اس دوران معمول سا تھا۔ کبھی کہتیں سب چیزیں رکھ لو پھر کچھ دیر بعد کہتیں کہ دو دن تک واپس آنا ہے تو اتنا سامان کیوں؟ کبھی فکر مندی کا اظہار کرتیں، کبھی خوشی کا۔

بمشکل ایک ہفتہ ہوا ہوگا کہ پھر روتی شانو نے اسے فون کیا۔

"مجھے گھر لے چلیں بھائی! مجھے نہیں رہنا یہاں۔" اور وہ اسے سامان سمیت واپس لے آیا۔

"میری خود سمجھ میں نہیں آتا میں کیا چاہتی ہوں، گھر کا ماحول اتنا ڈپریسنگ ہو گیا ہے کہ بھاگ جانے کا دل کرتا تھا اور میں نے وہی کیا مگر وہاں ایک پل کو سکون نہیں ملا۔ مجھے بار بار یاد آتا رہا کہ میں کتنی بری بیٹی ہوں۔ مجھ سے ان کا اجنبی رویہ اور شناسائی سے خالی آنکھیں برداشت ہوتی نہیں تو ان سے دور رہتا۔" اب وہ اس کے سامنے بیٹھی رو رہی تھی۔

"شانو!" منیب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"امی وہی ہیں ہم سے پیار کرنے والی ہم پر جان چھڑکنے والی۔ ان کی آنکھوں اور رویے کے پیچھے دیکھو۔ تمہیں سب کچھ ملے گا، ان کا دل وہی ہے ہماری فکروں اور انسیت سے بھرا بس یہ دماغ ہے جو دغا دے گیا اور اب یہ دن بہ دن ڈیٹوریٹ (انحطاط پذیر) ہو رہا ہے، امی بیمار ہیں، ہم سے دور یا ناراض یا اجنبی نہیں۔ میں نہیں کہوں گا کہ زبردستی ان کے ساتھ اور پاس رہو۔ جتنا تم ہینڈل کر سکتی ہو۔ اتنا ہی کرو، خود پر جبر نہ کرو لیکن امی کی محبت پر شک بھی نہ کرو، انہیں مریض کی طرح دیکھو، امی جو کہتی اور کرتی ہیں وہ اس مرض کی علامتیں ہیں ہماری امی کے جذبات نہیں۔ ان کے جذبات وہی ہیں جو ہم آج بھی ان کو دیکھ کر اور چھو کر اپنے اندر محسوس کرتے ہیں۔" اس کی آواز بھاری ہونے لگی تھی۔

"یہ ہمارے ساتھ ہی کیوں ہو رہا ہے بھائی؟ میں نے پڑھا ہے الزائمر تو لوگوں کو ساٹھ سال کے بعد ہوتا ہے، بہت ضعیفی میں پھر امی کو کیسے اتنی جلدی ہو گیا؟" ساری بردباری اور سمجھ داری کے باوجود یہ سوال تو وہ خود سے بھی کرتا تھا۔

"ارلی آن سیٹ الزائمر تھرٹیز اور فورٹیز میں بھی ہو سکتا ہے امی تو اگلے سال پورے پچاس کی ہو جائیں گی۔ بس ہم نے ان کی علامتوں کو سنجیدگی سے لینے میں بہت دیر کر دی، خیر ا ہم ہی کیوں اور امی ہی کیوں جیسے خیالات میں الجھ کر حاصل کچھ نہیں ہونا ہے اس لیے اسے ایکسیپٹ کرنے اور ڈیل کرنے پر توجہ دو۔"

شانو نے ایک سال تعلیم سے وقفہ لینے کا فیصلہ کیا تھا اور اس کے اس فیصلے سے اعظم اور منیب خوش نہیں تھے تاہم اس کا کہنا تھا۔ وہ اس وقت ذہنی طور پر پڑھائی کے لیے تیار نہیں ہے۔ آہستہ آہستہ اس نے قرۃ العین کے ساتھ زیادہ وقت گزارنا شروع کیا۔ وہ دور سے ہی قرۃ العین کو دیبا کے ساتھ باتیں کرتا دیکھتی رہتی۔ اس مشاہدے سے ہی اس نے بہت کچھ سیکھ لیا تھا اب وہ ان کے سوالوں پر روتی نہیں تھی وہ ان کی ہاں میں ہاں ملاتا اور جس سے وہ راضی اور خوش ہوں، ایسے جواب دینا سیکھ گئی تھی۔

☆☆☆

"بیبا کہاں ہے؟" قرۃ العین نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔ انداز میں عجلت تھی۔

"کچن میں ہو گی۔" اس نے لیپ ٹاپ بند کر کے رکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی کام تھا؟"

"بیبا! بیبا!" وہ اس کا سوال نظر انداز کر کے اونچی آواز میں اسے بلانے لگیں۔

"جی۔" وہ ہاتھ میں چمچہ لیے باہر آئی۔

"ارے آج دو تاریخ ہے نا، بک اسٹال پر ڈائجسٹ آ گیا ہوگا۔ چلو لے آتے ہیں۔" ان کے انداز میں دبا دبا جوش اور مسرت تھی۔ تب ہی کمرے سے اعظم میر بھی نکلے اور بیٹے کے بازو میں جا کر بیٹھ گئے۔

"ابھی؟" اس نے مری سی آواز میں کہتے ہوئے منیب اور اعظم میر کو دیکھا۔ دونوں نے سر کے اشارے سے اسے جانے کو کہا۔

"ہاں ہاں ابھی۔"

"میں یہ رکھ کے آتی ہوں۔" وہ ہاتھ میں پکڑا چمچہ دکھاتی اندر چلی گئی۔ قرۃ العین ان کے پاس آ گئیں۔

"پیسے دیں۔" انہوں نے اعظم میر کے آگے ہاتھ پھیلایا۔ ان کے بجائے منیب نے کافی ٹیبل سے بٹوہ اٹھا کر اس میں سے چند نوٹ نکال کر ان کی ہتھیلی پر رکھ دیے۔ تب ہی دیبا باہر آئی۔

"چلو۔" وہ دروازے کی طرف بڑھیں۔

"ایسے نہیں۔" اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر روکا۔ "دومنٹ رکیں۔" وہ بھاگتی ان کے کمرے میں گئی اور واپس آئی اس کے ایک ہاتھ میں ان کی چادر تھی اور دوسرے میں ان کے آرام دہ میڈیکیٹڈ سلیپرز تھے۔ چپلیں پیر کے پاس رکھنے کے بعد اس نے ان کے گرد چادر پھیلائی۔

"اب چلیں۔" وہ دونوں دروازے سے باہر نکل گئیں۔

"دیبا ہمارے لیے اللہ کا بڑا انعام ہے۔" اعظم نے ایک لمبی سانس لے کر سر صوفے پر گرا دیا۔ منیب نے کچھ نہ کہا۔

"عینی کے ڈائگنوسس سے پہلے ہم نے ان ماں بیٹی کا ہونا کبھی اکناج بھی نہیں کیا تھا۔ ہم رشتے داروں کو خوش اور راضی کرنے کی کوشش میں ان دونوں کو ان ہی کی طرح اگنور کرتے آ رہے تھے۔ اس گھر میں بھی اسے تمہاری نانی نے بھیجا ہے، اس کی مرضی اور خوشی کا اس میں دخل نہیں لیکن۔ دیبا نے جس ذمہ داری ایمان داری اور خلوص سے اس گھر میں سب کچھ سنبھالا ہے وہ ہماری سب سے بڑی محسن بن گئی ہے۔"

ان کی خود کلامی سے فقروں پر اس کے اندر سوچ کی نئی کونپلیں سر اٹھانے لگی تھیں۔

کچھ دور چلنے کے بعد وہ بھول گئی تھیں کہ کیوں باہر آئی ہیں۔ خاموشی سے چلتے ہوئے ایک جگہ رک کر قرۃ العین کے کہنے پر اس نے سیب خریدے اور پھر دونوں واپس گھر آ گئیں۔

www.pkdailyinfo.com
CamScanner

☆☆☆

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے بھائی جان۔" وہ انہیں لان میں تنہا دیکھ کر باہر آئی تھیں۔

"جی بیٹھیں۔" انہوں نے فون بند کر کے ایک طرف رکھا جس میں وہ کوئی مضمون پڑھ رہے تھے۔

وہ انگلیاں مروڑتی، جز بز سی کرسی پر ٹک گئیں۔

"آرام سے بیٹھیں۔" ان کی کشمکش بڑی واضح تھی۔

"آپ بلا جھجک جھجک سے ہر بات کر سکتی ہیں۔" انہوں نے نرمی سے کہا۔ وہ جو انہیں بلا لیتے تھے اور دیبا کو بھی ان سے ملنے بھیج دیتے ہیں پھر دیبا نے بھی ان کے بارے میں اچھی باتیں سنائی تھیں ان سب کے بعد ہی وہ یہ ہمت کر پائی تھیں۔

"آپ مجھے غلط مت سمجھیے گا۔ میرے علاوہ کوئی نہیں ہے جسے دیبا کی فکر ہو، مجھے اس کے یہاں آپ سب کے ساتھ رہنے اور کام کرنے پر کوئی اعتراض یا شکایت نہیں ہے بلکہ میں تو ایک طرح سے خوش ہوں لیکن میں ماں بھی ہوں، ایک جوان بیٹی کی ماں جسے طرح طرح کے خوف اور اندیشے ستاتے ہیں۔ بخدا میری بات کو غلط نہ سمجھیں، مجھے آپ سب پر اعتبار ہے بلکہ میں تو شکر گزار اور احسان مند ہوں سب کی۔ لیکن۔" وہ رک گئیں۔

"جی۔ میں سن رہا ہوں۔" اعظم میر نے کہا۔

"دو جوان لڑکوں کے گھر میں اپنی بیٹی کو چھوڑتے ہوئے مجھے اللہ کا خوف ڈراتا ہے بھائی جان۔ دیبا کو یہاں بھیجنے کے لیے کسی کو میری اجازت کی ضرورت نہیں تھی نہ میں ان کے آگے کچھ کہنے کی ہمت رکھتی ہوں۔ آپ اسے میری بزدلی کہہ لیں یا خوف جو بھی سمجھیں لیکن میں اس امید پر آپ سے کہہ رہی ہوں کہ آپ سمجھیں گے۔" عابدہ نے یوں سر جھکایا جیسے جرم کا اعتراف کیا ہو۔

اعظم میر بری طرح چونک گئے۔ انہوں نے اس نہج پر تو سوچا ہی نہیں تھا۔ ان کے آنے سے پہلے شانو سارا وقت پڑھائی کے لیے اپنے کمرے میں بند رہتی تھی اور اس کے علاوہ ایک [illegible] طور پر کمزور اور غائب دماغ عورت کے علاوہ یہاں ان کے دو بیٹے تھے اور ان کے بیچ ایک کمزور سی لڑکی۔

انہیں جیسے ہی اپنی غفلت کا احساس ہوا، ندامت ان کے اندر اتر گئی۔ یہ باریکیاں اور نزاکتیں سمجھنے والی ان کی نصف بہتر اب اس حال میں تھیں کہ یہ کام بھی ان کے کاندھوں پر آن پڑا تھا۔ انہیں [illegible] ایک بے چینی نے گھیرا کہ جانے ایسی کون سی معمولی مگر اہم باتیں اور چیزیں ان کی غفلت کا شکار ہو رہی ہوں گی۔ انہیں ایک دم اپنے گھر کے 'بنا عورت' کے ہونے کا احساس ہوا۔

"میں چاہتی ہوں، آپ اسے واپس بھیج دیں یا مجھے بھی یہیں بلا لیں۔" وہ [illegible] اتنی ہی کمزور تھیں جتنی دیبا لیکن ماں [illegible] خود کو بیٹی کے تحفظ کا ذمہ دار سمجھنے والی ماں۔ اپنی حیثیت اور مجبوری کے باوجود جہاں پہلا موقع ملا انہوں نے کوشش کی۔

"آپ کی بات بالکل درست ہے۔ میں بھی اس سے اتفاق کرتا ہوں لیکن ایک گزارش ہے آپ سے، جب تک کوئی اور انتظام نہیں ہوتا آپ تب تک دیبا کو یہاں رہنے دیں۔ تب تک میں منور بھائی سے بات کرتا ہوں کہ وہ آپ کو یہاں بھیج دیں۔"

"آپ ان سے یہ مت کہیے گا کہ میں نے یہ بات۔" وہ ایک دم پریشانی سے بولیں۔

"آپ بے فکر رہیں، میں اپنے طور پر بات کروں گا۔"

☆☆☆

وہ اس مسئلے پر منیب سے بات کرنے کا سوچ ہی رہے تھے کہ اس سے پہلے سلمان ان کے پاس چلا آیا۔

وہ اپنے دفتر کی ساتھی قاریہ کو پسند کرتا تھا اور قاریہ کے گھر والے اب اس کی شادی کرنا چاہتے تھے، لہٰذا وہ چاہتا تھا کہ اعظم میر اس کے گھر شادی کا پیام لے کر جائیں۔

"ٹھیک ہے، پہلے منیب کی شادی ہو گی یا پھر تم دونوں کی ساتھ میں۔" اعظم نے سلمان کو سمجھانے یا باز پرس کرنے کے بجائے دوسرے اہم امور پر توجہ دی۔ یہ سب اب انہیں ہی سوچنا اور کرنا تھا۔

عابدہ کی بات کے بعد سے ہی وہ سنجیدگی سے منیب کی شادی کے بارے میں سوچ رہے تھے مگر انہیں منیب سے اس بارے میں بات کرنے کا وقت ہی نہیں مل پایا تھا۔

"تمہاری نظر میں کوئی لڑکی ہے تو بتا دو۔ یہ کام میں نہیں کر سکتا۔ اگر رشتہ تلاش کرنا تمہاری امی کا تھا، یہ ہے تو پھر میں آپا کو بلا لیتا ہوں۔ وہ اور ناظمہ مل کر دیکھ لیں گی۔" انہوں نے بڑی بہن اور بھابھی کا نام لیا۔

اس نے عروبہ کا نام لے کر پہلے خود اس سے بات کرنے کی خاطر ان سے ایک دن کی مہلت مانگی کہ وہ اس کے بعد نانی اور ماموں سے یہ ذکر کریں۔

☆☆☆

جب اس نے خوشی سے مسکراتے ہوئے عروبہ کو یہ خوش خبری سنائی تو اس کے تاثرات اس کے تصور اور امید کے برعکس تھے۔

"بہت کچھ بدل گیا ہے منیب! تمہیں یاد ہے ہم آخری بار باہر کب اور کہاں ملے تھے؟ اب تو میری ہر کال مس ہوتی ہے اور تمہیں کال بیک کرنا [illegible] ہے، میسج بھی تم سونے سے پہلے دیکھتے ہو، سلام کا جواب اور تھک گیا ہوں، سو رہا ہوں، کل بات کرتے ہیں کے علاوہ کوئی اور بات نہیں لکھتے۔ سال بھر سے زیادہ ہو گیا ہے اور اس دوران ہم جب بھی ملے تمہارے پاس بات کرنے کے لیے پھپھو اور گھر کے علاوہ کوئی اور ٹاپک ہی نہیں ہوتا ہے۔"

"تم ان سب کی وجہ جانتی ہو عروبہ! ورنہ میں ایسا تو نہیں ہوں۔"

"تم ایسے نہیں تھے مگر اب ہو گئے ہو اور آئندہ بھی یونہی رہو گے۔ مجھے جو منیب پسند تھا، جس سے مجھے محبت ہوئی تھی، جس کے ساتھ زندگی گزارنے کے خواب دیکھے تھے، وہ اب ہے ہی نہیں۔" منیب بے یقین سا اسے دیکھ رہا تھا۔

"ساری دنیا جانتی ہے کہ تم پھپھو کو بہت اہمیت دیتے ہو، تمہارا رشتہ عام ماں بیٹے سے بڑھ کر گہرا اور خاص ہے، مجھے اس بات پر کبھی اعتراض نہیں تھا۔ پھپھو اچھی ہوتیں تو میں۔"

منیب نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ اگلی بات وہ بنا سنے جانتا تھا۔ کچھ بت ہم توڑنا نہیں چاہتے۔ وہ نے بنا جانتا تھا۔ آگے ادا ہونے والے الفاظ اسے عمر بھر ستاتے رہیں گے۔ کچھ تلخ یادیں وجود ہی نہ پائیں وہی اچھا۔

"مت کہو آگے کچھ عروبہ۔ تم آسانیوں کی ساتھی تھیں میں سمجھ گیا ہوں۔" اس نے دکھ سے کہا۔ عروبہ نے پہلو بدلا، لب وا ہوئے لیکن کچھ کہا نہیں۔

عروبہ سے مل کر وہ جانے کتنی دیر سے گاڑی میں بیٹھا تھا۔ وہ ایک دم خالی تھا۔ دل و ذہن پر سناٹا چھایا تھا۔ ہم چاہے بڑی سے بڑی آفت اور کٹھنائی سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار ہوتے ہوں، ہمارے حوصلے اور ارادے بلا کے مضبوط ہوں تاہم جن پر بھروسا ہو وہ نظر پھیر لیں تو ہماری ساری خوبیاں شرمندہ اور تنہا رہ جاتی ہیں۔

وہ بھی سمجھ رہا تھا کہ گھر کو اس کی امی کے ایسے نعم البدل کی ضرورت تھی جو اس گھر کی نگراں، حاکم اور مالک ہو۔ سلمان کا مزاج اور پھر جس انداز میں اس نے شادی کی بات کی تھی، اس تناظر میں قاریہ سے امید رکھنا لا حاصل نہ سہی لیکن قبل از وقت اور غیر یقینی تھا پھر وہ بھی جاب کرتی تھی۔ گھر کو وقت دینا اس کے لیے مشکل ہی تھا۔

"پاپا! آپ ہی کوئی دیکھ لیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔" اس نے رات میں اعظم میر سے کہا تو انہوں نے اس کا شانے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

"یہ قسمت کی باتیں ہیں بیٹا۔"

انہیں بھی ایسی امید نہیں تھی۔ جب اس نے عروبہ کا نام لیا تو وہ بھی بہو کے روپ میں اسے سوچ کر خوش اور مطمئن تھے کہ ان کے بیٹے کی پسند ہے۔

☆☆☆

اس کے بعد انہوں نے اپنی آپا سے بات کرنے سے پہلے چھوٹے بھائی سے ان کی بیٹی کے

www.pkdailyinfo.com

CamScanner

لیے بات کی جو کچھ دن پہلے ہی اپنے فائنل امتحان دے کر گھر آئی تھی۔ انہوں سوچنے کا وقت مانگے بنا، کسی لگی لپٹی کے بغیر معذرت کر لی، وہ حیران تھے۔ ان کے خاندان اور بیٹے میں وہ سب کچھ تھا جس کی لڑکی اور اس کے والدین تمنا کرتے ہیں۔ بس ایک بیماری کی وجہ سے سب اتنے خوف زدہ کیوں ہو رہے تھے۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ منیب اکلوتا تھا جس پر دیکھ بھال کی ذمہ داری ہوتی، نہ بیماری کوئی چھوت والی تھی۔ وہ سمجھ نہیں سکے کہ رشتے سے انکار کی وجہ محض قرۃ العین کی دماغی صحت نہیں ہے بلکہ منیب کی اپنی ماں کے لیے غیر معمولی محبت بھی ہے۔

"کیا سوچ رہے ہیں؟" قرۃ العین کی آواز پر وہ بری طرح ٹھٹکے۔ وہ جانے کب باہر آئی تھیں۔

"بچوں کی شادی کے بارے میں؟" انہوں نے بغور اپنی چہیتی بیوی کو دیکھا۔

"کون؟" ان کے بولنے کا انداز بھی دھیما ہو گیا تھا۔ وہ پہلے جیسی رفتار اور جوش میں بات نہیں کرتی تھیں۔

"منیب اور سلمان۔"

"اچھا مذاق کرتے ہیں آپ بھی۔" وہ ہاتھ سے مکھی اڑانے کے انداز میں ہنستے ہوئے گویا ہوئیں۔

"بیگم منیب کو اپنی سافٹ ویئر ڈیولپمنٹ فرم اسٹارٹ کیے چار سال ہو گئے ہیں، آپ کہتی تھیں بس دو سال کی بات ہے پھر شادی کر دوں گی تمہاری۔" ان کی ہنسی میں کھو کر وہ بھی کہہ گئے۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو۔" وہ پر تشویش سی انہیں غور سے دیکھنے لگیں جیسے ان کی دماغی صحت پر شبہ ہو۔

"منیب کا لاسٹ سمسٹر ہے ابھی۔"

"مذاق کر رہا تھا بیگم۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس تبسم میں کرب تھا۔ جب آپ اپنے ساتھی، ہمراز، ہم زبان سے ہم کلام ہوں اور درمیان میں بات کے مطالب بدل جائیں تو اس سے بڑا المیہ کوئی نہیں۔

تب ہی دیبا وہاں ان دونوں کے لیے چائے لے کر آ گئی۔ ٹرے [illegible] اور [illegible] رکھا تھا۔ قرۃ العین کو شام کی چائے کے ساتھ کچھ نمکین کھانے کی عادت تھی۔

"شکریہ بیٹا۔" انہوں نے تشکر سے اسے دیکھا۔ وہ مسکرا کر چلی گئی۔

"شکر ہے یہ لڑکی اچھی ہے۔ پچھلی والی کی طرح چوریاں نہیں کرتی۔" انہوں نے کپ کے ساتھ ایک بسکٹ اٹھایا۔

"ہمم۔" انہوں نے کپ اٹھاتے ہوئے ہنکارا بھرا۔ ایسے وقت انہیں حقیقت سمجھانا لاحاصل تھا۔

☆☆☆

اب بیٹے تک بات پہنچانے کے لیے ان کے پاس ماں والا آپشن نہیں تھا سو خود ہی منیب سے بات کرنا پڑی۔ وہ ان کی بات سن کر ایسا شدید حیران ہوا کہ بت ہی بن گیا۔

"یہ فیصلہ میں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ اگر تعلیم اور اسٹیٹس دیکھیں تو وہ تمہارے قابل نہیں لیکن بیٹا! اس وقت ضرورت اور سہولت ہر بات پر حاوی ہے۔ مجھے وہ بچی پسند ہے، اس کا مزاج، اطاعت گزاری پسند ہے۔ تم بھی اگر اسے دیکھنے کا نظریہ بدل لو تو وہ تمہیں بھی اچھی لگے گی۔ تمہیں لگ رہا ہوگا۔ میں خود غرض ہو کر سوچ رہا ہوں تم سے زیادہ عینی اور اس گھر کا سوچ کر کہہ رہا ہوں تو یہ کسی حد تک سچ ہے لیکن بیٹا جتنا میں تمہیں اور تمہارے اپنی ماں سے پیار کو سمجھتا ہوں، اس کے مطابق دیبا سے بہتر تمہارے لیے کوئی نہیں۔"

وہ اب بھی بولنے کے قابل نہیں ہوا تھا۔ بات ہی ایسی انوکھی تھی۔

"تم سوچ کر اپنا فیصلہ بتا دو، اگر تمہارا دل نہیں مانتا تو پھر میں آپا سے بات کروں گا کہ وہ کوئی قابل لڑکی دیکھ کر بتائیں۔"

وہ اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ قرۃ العین کے مرض کی تشخیص کے بعد بھی وہ بڑا پر امید اور مثبت تھا۔ اول اول فکر اور پریشانی تھی لیکن جب یہ حقیقت قبول کر لی تو وہ پر یقین تھا کہ سب ٹھیک ہوگا، وہ سب مل کر

سنبھال لیں گے۔ کبھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ اس کے خواب، مستقبل کے منصوبے، زندگی کے اہم فیصلے سب کچھ اس وجہ سے بدل جائیں گے۔ وہ جو اپنی زندگی کی باگ خوبی سے سنبھالے تھا، اب حالات کے دھارے پر رخ موڑنے لگی تھی۔ محبت جیسا خالص جذبہ بھی مشروط نکلا تھا، عروبہ کے جواب نے اسے دکھ دیا تھا تو کہیں اس کے اندر اطمینان بھی تھا۔ وہ یہ سب شادی کے بعد کہتی تو اس کے لیے کتنی بڑی مشکل کھڑی ہو جاتی۔

وہ جیسی بھی تھی، اس نے ویسا فیصلہ کیا تھا، غلطی اس کی تھی وہ اسے سمجھ نہیں پایا۔ اس نے تکلیف اور دکھ کے ساتھ ہی مان لیا تھا کہ عروبہ نے پریکٹیکل فیصلہ کیا ہے۔

اور اب جو اس نے سنا۔ وہ بری طرح ٹوٹ گیا تھا۔ ایسی زندگی کا اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ زندگی کے ساتھی کا تصور اس کے لیے ایک پر اعتماد، پر وقار اور جدید طرز زندگی کے تقاضوں کو نبھانے والی لڑکی کا تھا۔ وہ اس خوبصورت ساتھ اور احساس کو جس کے ساتھ سوچتا آیا تھا۔

وہ فریب نکلا اور اب اسے جس سے منسوب کرنے کا اعظم میر کہہ رہے تھے۔

اس نے بے بسی سے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ مضبوط قوت ارادی کا مالک اور حقیقت پسند انسان تھا لیکن پھر بھی اس وقت اس کی بند آنکھوں سے نمی چھلک کر پلکوں پر چمکنے لگی تھی۔ خواب ٹوٹے تو اتنا تو ہوتا ہے!

"اس وقت ضرورت اور سہولت ہر بات پر حاوی ہے۔"

اس کے ماؤف ہوتے ذہن میں باپ کی آواز کی تکرار جاری تھی۔

☆☆☆

اعظم میر نے ماموں کے گھر جا کر بات کی تھی۔ بات ہی ایسی تھی کہ سب سکتے میں آ گئے۔ عروبہ اسے انکار کر چکی تھی لیکن اس کی جگہ دیبا کا انتخاب ہوگا۔ یہ بات جتنی حیرت انگیز تھی اتنی ہی بری بھی لگ رہی تھی۔ کہاں اعلا تعلیم یافتہ، خوبرو، با اعتماد اور وجیہہ منیب اور کہاں بارہ جماعتیں پاس دبوسی اعتماد سے خالی دیبا۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ کسی زاویے سے بھی ان کا جوڑ نہیں بنتا تھا۔

سب منیب کے مان جانے پر بے یقین سے تھے۔ بس ایک عابدہ پر شادی مرگ کی کیفیت طاری تھی۔ اعظم میر کو انکار کرنا آسان نہیں تھا اور پھر ان کے پاس کوئی ٹھوس وجہ بھی نہیں تھی جس کی بنیاد پر وہ دیبا اور اس کی شادی پر اعتراض کرتے۔ جنھیں تحفظات ہونا چاہیے تھے۔ وہ خود بیٹے کی رضامندی سے رشتہ لے کر آئے تھے تو ان کے پاس کہنے کو کچھ بچا ہی نہیں تھا۔ پھر بھی نانی نے دبے لفظوں میں کہا کہ گھر میں اور بھی لائق بچیاں ہیں۔

"ساری بچیاں ہی ہمیں ایک سی عزیز ہیں، بس یہ ہے کہ دیبا کی ہم سب کو عادت ہو گئی ہے، وہ ہی اب سارا گھر سنبھال رہی ہے لہٰذا وہی مستقل ہمارے گھر آ جائے تو ہمیں خوشی ہوگی۔" اعظم میر کی بات کے بعد دنیاداری نبھانا ہی بچا تھا۔

☆☆☆

عابدہ نے اسے فون پر بتایا تو اسے لگا، کانوں کو دھوکا ہوا ہے۔ ان سے خوشی سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔ ان کے نزدیک یہ بے جوڑ یا مصلحت والا رشتہ نہیں تھا بلکہ ان کے صبر کا انعام تھا، ان کی دعاؤں کا ثمر تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا ماں کی خوشی پر کیا ردعمل دے۔ اس کے لیے ان کی خوشی اور اطمینان سے بڑھ کر تو کچھ بھی نہیں تھا۔

وہ ان سے بات کرنے کے بعد پر سوچ سی فون ہاتھ میں لیے کھڑی تھی۔ تب ہی منیب ڈرائنگ روم میں آیا۔ اس نے کار کی چابی چیسٹ کے اوپر دھرے جوٹ کے پیالے میں رکھی اور جوتے اتار کر صوفے پر گر سا گیا۔ اس نے کونے میں کھڑی دیبا کو نہیں دیکھا تھا۔ اسے علم تھا، ذرا دیر بعد وہ اٹھ کر کمرے میں جائے گا پھر نہانے کے بعد چائے کی طلب اسے باورچی خانے میں لے آئے گی۔ وہ عموماً اس وقت رات کے کھانے کی تیاری میں لگی ہوتی

تھی۔ وہ پیچھے میز پر بیٹھ جاتا اور وہ ایک چولہا خالی کر کے پہلے اس کی چائے بناتی وہ کبھی وہیں بیٹھ کر فون دیکھتے ہوئے پی لیتا اور کبھی کپ لے کر باہر چلا جاتا تھا۔ قرۃ العین کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اسے اس میز پر بیٹھنے کی ایسی عادت ہو گئی تھی کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں بھی لاشعوری طور پر وہی کرتا تھا۔

اس نے صوفے کی پشت پر گردن ڈال کر آنکھیں موند لی تھیں۔ دیبا دم سادھے اسے دیکھ رہی تھی۔ صبح استری شدہ شرٹ سلوٹ زدہ اور ڈھیلی سی تھی۔ چہرے پر دن بھر کی مصروفیت نے اپنے نشان چھوڑے تھے۔ سیاہ الجھے سے بال اس کا حلیہ صبح کے مقابلے میں مختلف بنا رہے تھے۔ اپنی محویت اور اس قدر تفصیلی جائزے کا احساس ہوتے ہی اس کا دل شور کرنے لگا۔ اس نے پہلی بار سینے میں ایسی ہلچل محسوس کی تھی۔ خود کو سرزنش کرتی وہ آگے بڑھی اور جب اس کے سامنے سے گزری تو منیب آنکھیں کھول کر سیدھا ہوا۔

وہ باورچی خانے میں اس کی آمد کا انتظار ہی کرتی رہ گئی مگر وہ نہیں آیا۔ اسے کوئی خوش فہمی نہیں تھی کہ یہ منیب کی خواہش سے ہو رہا ہے۔ اس گھر میں رہتے ہوئے وہ بھی جانتی تھی کہ اس گھر کو ایک ذمہ دار شخص کی ضرورت تھی اور وہ اس کردار کے لیے موزوں امیدوار تھی۔

شانو اور سلمان کا پہلا ردعمل وہی تھا جیسا منیب کا تھا لیکن پھر اعظم میر نے انہیں قائل کر لیا۔ بدلے حالات نے سمجھوتے کی اہمیت سب پر اجاگر کر دی تھی۔ قرۃ العین دونوں بیٹوں کی شادی کا سن کر خوش ہوئی تھیں۔

شادی کے انتظامات کے لیے اعظم میر نے اپنی بڑی بہن کو بلایا تھا۔

☆☆☆

تھکے ہارے زیادہ مہمان چاچی کے یہاں چلے گئے تھے۔ انہیں بھی علم تھا، کاروبار سنبھالنے والی آج فارغ نہیں ہوگی ... کے لیے ان کے دوستوں نے ہوٹل کا کمرہ بک کیا تھا۔ اس سے بھی اعظم میر نے پوچھا تھا مگر اس نے منع کر دیا تھا۔

تھکی ہاری قرۃ العین سو گئی تھیں۔ سارا وقت ان کے ساتھ رہی شانو بھی کمرے میں بستر پر ڈھیر تھی۔ انہیں اپنے بیٹوں کی شادی کا علم تھا لیکن وہی فرزانہ ذرا دیر میں مختلف باتیں۔

''کس کی شادی میں آئے ہیں؟''

''دلہنیں پیاری ہیں، اپنے منیب کی دلہن کا میک اپ بھی ای ... ہی کروائیں گے۔''

''کتنے پیارے لگ رہے ہیں میرے بچے!''

''اب چلو تھر، بہت دیر ہو گئی ہے۔ صبح سب کو اپنے کام پر جانا ہے۔''

اس کے کمرے میں جانے سے پہلے اعظم میر اس کے پاس آئے تھے۔

''بیٹا! تم سمجھ دار ہو، میں لیکچر نہیں دوں گا، میری ساری دعائیں تم بچوں کے لیے ہیں۔ بس اتنا خیال رکھنا کہ دیبا کی حق تلفی نہ ہو، اسے کوئی دکھ نہ پہنچے۔ مجھے وہ بچی بھی شانو کی طرح عزیز ہے۔''

''جی پاپا۔'' اس نے مسکرا کے ایک اور بوجھ شانے پر اٹھایا اور کمرے کی طرف چل پڑا۔

وہ جو دروازے کے پاس ہی کھڑی تھی، دروازہ کھلنے پر خود کو گرنے سے بچاتے ہوئے ایک طرف ہوئی۔

''سوری۔'' اس کے پاس پہلا ہی لفظ معافی کا تھا۔

وہ گہرے سبز اور ہلکے سنہری لہنگے، زیور اور میک اپ میں روز کی دیبا سے بہت مختلف لگ رہی تھی تاہم چہرے پر انتہا کی سنجیدگی تھی۔

وہ آگے بڑھ کر پلنگ تک پہنچ گیا لیکن وہ وہیں کھڑی رہی۔ وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگا جو کچھ کہنے کے لیے پر تول رہی تھی۔ وہ کئی دنوں سے خود کو سمجھا رہا تھا اس گھڑی کے لیے خود کو راضی اور تیار کر رہا تھا پھر بھی اس وقت اس کا رواں رواں احتجاج میں مصروف تھا جب کہ اسے باپ کی باتیں بھی بھولی نہیں تھیں۔

''کچھ کہنا ہے؟'' وہ دو قدم آگے آیا۔ وہ شعوری طور پر دروازے سے دور ہونے کے لیے اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اپنی بات کس طرح اس تک پہنچائے۔

''کہو۔'' اسے یونہی جز بز اور چپ دیکھ کر اس نے پھر کہا۔

''آپ میری فکر نہ کریں۔ مطلب آپ انکل۔ میں انہیں پتا نہیں لگنے دوں گی۔ میری اور امی کی مجبوری تو آپ بھی جانتے ہیں۔ ہم کسی سے نہ نہیں کہہ سکتیں۔ ویسے امی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ آپ۔'' اس نے ذرا سا سر اونچا کر کے اسے دیکھا اور اس غلطی پر جو بے ربط سے جملے نکل رہے تھے، وہ بھی روٹھ گئے۔

''میں۔'' اس نے کسی طرح گم ہوئے الفاظ تلاش کیے۔

''پریشان نہیں کروں گی۔ اور جیسا آپ کہیں گے۔'' وہ آگے آیا اور دیبا سہم کر خاموش ہو گئی۔

''ڈرو نہیں، ریلیکس!'' اس کے حسین چہرے پر در آئے خوف نے اس کی آواز خود بخود نرم کر دی۔

''فی الحال جو سچویشن ہے اور جیسے اتنی جلدی شادی ہوئی ہے، بس اسی وجہ سے۔''

وہ اس سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ تم مجھے بیوی کی حیثیت سے پسند نہیں، میں نے یہ شادی بڑے جبر ہے، مجبوری میں کی ہے۔ میں خوش نہیں ہوں اور میں کبھی تمہارے ساتھ خوش رہ بھی نہیں سکتا۔

اگر دیبا نے اتنے دن اس گھر میں نہ گزارے ہوتے تو وہ یہ سب کچھ شدید نفرت اور غصے میں اس سے کہہ رہا ہوتا لیکن بات تو یہ ... تھی کہ اگر اس نے کچھ دن اس گھر میں نہ گزارے ہوتے تو اس سے شادی کی نوبت بھی نہیں آنا تھی۔

وہ بات کے بیچ اچانک چپ ہو گیا تھا اور اب کسی خیال میں ڈوبا اسے دیکھ رہا تھا۔ دیبا نے ... اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ ہوش میں آیا۔

''تم چینج کر لو۔'' اس کا مزید کچھ بھی کہنے سے دل اچاٹ ہو گیا۔

وہ احتیاط سے لہنگا سنبھالتی کپڑے بدلنے چلی گئی۔ جب وہ حلیہ بدل کر واپس آئی تو منیب کپڑے بدل کر سو گیا تھا۔ اب جانے سچ میں سویا تھا یا سویا بن رہا تھا۔ اس کا بھی دل کیا، اپنے کمرے میں جا کر سو جائے لیکن اس وقت وہاں اس کی امی برسوں بعد پرسکون اور خوش ہو کر سو رہی تھیں۔

ادھر ادھر دیکھنے کے بعد کمرے میں ایک صوفے کی موجودگی کا احساس ہوا۔ دیوار سے لگا صوفہ چیزیں رکھنے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اس پر بڑے بڑے کارٹن اور کتابیں رکھی تھیں۔ سارے ممکنات پر غور کرنے کے بعد اس نے کرسی پر بیٹھ کر پیر اوپر کیے، دوپٹا پھیلا کر چادر کی طرح اوڑھا اور پیچھے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

رات کسی پہر اس کی آنکھ کھلی اور کروٹ بدلتے ہوئے نظر کرسی پر گٹھڑی بنی دیبا پر پڑی تو وہ اٹھ بیٹھا۔ اس نے افسوس سے دونوں ہاتھ بالوں میں پھنسائے۔ اسے یوں کرسی پر رات گزارتے دیکھ کر اسے اپنے ظالم اور بے حس ہونے کا شدید احساس ہوا تھا۔

جس رات کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ وہ غم زدہ دل کے ساتھ اپنے ارمانوں اور خوابوں کا سوگ منائے گا۔

اس شب اس نے دنیا کی سب سے بڑی سچائی جان لی کہ جو ہمارے پیاروں سے اچھا سلوک کرتا ہے، ہمارا دل اس کی پروا خود بخود کرنے لگتا ہے۔

☆☆☆

وہ معمول کی طرح اٹھ کر باورچی خانے میں آ گئی تھی۔ منیب کمرے میں سو رہا تھا۔ ابھی کچھ دیر ہی ہوئی تھی کہ عابدہ بھی اٹھ کر سیدھی ادھر ہی چلی آئیں۔

''تم کیوں ادھر آ گئیں، جاؤ کمرے میں۔ آج میں سنبھال لوں گی سب۔'' اسے دیکھتے ہی وہ تیزی سے بولتے ہوئے آگے آئیں اور اس کے ہاتھ سے چاقو لے کر سامنے سے پیاز کی پلیٹ دور کی۔ وہ دھیرے سے ہنسی۔

''امی! عادتیں ایک دن میں نہیں بدلتیں۔ جیسے

آپ اس وقت اٹھ کر کچن میں آئی ہیں ویسے ہی میں بھی۔" اس نے ہلکے انداز میں بات ٹالنی چاہی۔

"تم جاؤ، منیب جاگے تب اس کے ساتھ آنا۔" وہ بضد تھیں۔

"امی!" اس نے رسان سے کہا۔ "آپ اس بات کی طرف سے بالکل بے فکر رہیں کہ یہاں کوئی مجھ سے ناراض یا غصہ ہوگا یا کسی کو کچھ برا لگے گا۔ یہاں ایسا مزاج الحمدللہ کسی کا نہیں ہے۔" اس نے ماں کو اطمینان دلانے کی کوشش کی۔

"صدفی صد درست کہہ رہی ہے ہماری بیٹی۔" اعظم میر نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "یہ دیبا کا گھر ہے جیسی اس کی مرضی اسے کرنے دیں۔" وہ دونوں ان آمد پر گڑبڑا گئی تھیں۔

"مجھے بھی چائے دینا بیٹا۔"

"آپ بھی جلدی جاگ گئے؟" اس نے چولہا جلاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں، بیگم کو پانچ بجے چہل قدمی کرنا تھی۔ واپس آ کر خود تو سو گئی ہیں لیکن اب میری نیند چہل قدمی کو نکل گئی ہے۔" انہوں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ وہ ان کی بات پر مسکرا دی۔ عابدہ کو ان دونوں کی بے تکلفی اور باتیں خوش گوار لگ رہی تھیں۔

"آپ کہیں تو میں منور بھائی سے بات کر لوں کہ اب آپ یہیں رہیں گی؟" انہوں نے عابدہ سے کہا۔ دیبا خوشی سے ان کی سمت پلٹی لیکن اس سے پہلے عابدہ کہنے لگیں۔

"ابھی نہیں، کچھ دن رک جائیں۔" وہ سب دیبا کے رشتے اور شادی پر حیران تو تھے ہی ساتھ ناخوش بھی تھے، وہ انہیں مزید خفا نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ دیبا نے انہیں دیکھا تو انہوں نے آنکھ کے اشارے سے اسے چپ رہنے کو کہا۔

"ٹھیک ہے جیسا آپ مناسب سمجھیں۔"

☆☆☆

اسی شام عابدہ واپس چلی گئیں۔ سلمان اور قاریہ ہنی مون پر روانہ ہو گئے تھے۔ گھر میں [illegible] کی

پھپھو کے علاوہ اور کوئی مہمان نہیں تھا۔ ان کے بہو بیٹا بھی واپس چلے گئے تھے۔

"کرسی پر مت سونا۔" وہ آدھے گھنٹے کے کام کو دو گھنٹے میں ختم کر کے آئی تو چپکے سے دروازہ کھولا تاکہ اس کی نیند خراب نہ ہو لیکن وہ تو جیسے اسے اطلاع دینے کے لیے جاگ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی کہا۔

دیبا کی نظر بے اختیار صوفے کی سمت گئی جہاں آج کوئی سامان نہیں تھا۔ اس نے کن اکھیوں سے پلنگ کی سمت دیکھا۔ منیب کروٹ بدل کر سو گیا تھا۔ صوفے پر تکیہ اور چادر بھی پڑی تھی۔ اس کی اتنی فکر ماں کے علاوہ کوئی اور نہیں کرتا تھا۔ اس نے ممنونیت بھری نگاہ سے سوئے منیب کو دیکھا۔ محرومیاں زود حس بنا دیتی ہیں۔ ایسے انسان سب ذرا ذرا سی باتوں کے محتاج ہو جاتے ہیں۔

☆☆☆

کھانا پکانے کے علاوہ جب اسے فرصت ہوتی، وہ اپنے کمرے میں چلی جاتی تھی لیکن اب کمرہ بدل گیا تھا۔ حالاں کہ دن کا زیادہ وقت منیب کمرے میں ہوتا نہیں تھا پھر بھی وہ جانے سے کتراتی تھی۔ کبھی لان میں بیٹھ جاتی تو کبھی خالی ڈرائنگ روم میں۔ اعظم میر اور قرۃ العین کہیں ایک ساتھ ہوتے تو ان کے پاس نہیں جاتی تھی۔ ثمانو کا رویہ اس کے ساتھ شادی سے پہلے ہی نرم اور اپنائیت بھرا ہو گیا تھا لیکن ان کے درمیان بے تکلفی نہیں تھی۔

وہ صبح منیب کے جاگنے سے پہلے ہی کمرے سے چلی جاتی تھی۔ رات میں وہ کمرے میں کام کر رہا ہوتا یا ٹی وی پر کچھ دیکھ رہا ہوتا، اس وقت وہ تھکی ہاری اندر آتی اور اپنی چادر تکیہ لے کر صوفے پر سو جاتی۔ وہ خود بستر پر جانے سے پہلے اس پر ایک آدھ نظر ڈال لیتا کبھی صوفے سے نیچے لٹکتی چادر اس پر ڈال دیتا۔ اس کی لاعلمی میں اسے دیکھتے رہنے کا نتیجہ تھا کہ اسے دیبا کے چہرے کے نقوش یاد ہو گئے تھے۔ اس کی کمان سی سیاہ بھنویں، چھوٹی سی ناک، چوڑی پیشانی اور بھرے سے ہونٹ جو سوتے ہوئے

کھلے رہتے تھے۔

پہلے اسے عابدہ سے ملنے جانا ہوتا تو وہ یا سلمان، ماموں کے گھر چھوڑنے اور لینے جاتے تھے۔ شادی کے بعد یہ ذمہ داری مکمل اس کی ہو گئی تھی۔ وہ اسے باہر ہی چھوڑ آتا تھا اور لینے کے لیے بھی جاتا تو فون کر کے اسے باہر بلا لیتا تھا۔

سلمان اور قاریہ صبح ایک ساتھ جاتے اور رات ساتھ گھر آتے تھے۔ اکثر تو رات کا کھانا بھی ان کا باہر ہی ہو جاتا تھا۔ چھٹی کے دن دیر سے جاگتے۔ اکثر چھٹی کے دن ان کی کسی دوست کے یہاں دعوت ہوتی اور جس دن دوست کے یہاں نہ ہوتی اس دن قاریہ کے گھر مدعو ہوتے۔

آج بھی گیارہ بجے اٹھ کر وہ اس وقت باورچی خانے میں آئی تھی جب دیبا کھانا بنا کر وہاں سے جانے والی تھی۔ برتن دھونے والی ماسی جا چکی تھی۔ چھٹی کے دن اس نے صفائی والی ماسی کو دیر سے بلانا شروع کر دیا تھا تاکہ سب کمروں کی صفائی ممکن ہو سکے۔

"میرے لیے بھی پراٹھا اور چائے بنا دو۔" قاریہ نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ روز صبح وہ دونوں بنا ناشتہ کیا جاتے تھے کہ ان کے دفتر میں ناشتے کا انتظام ہوتا تھا۔

اس نے فریج سے آٹا نکالا اور چائے رکھی۔ قاریہ اپنے فون میں مصروف تھی۔ اعظم میر کمرے کے جگ میں پانی بھرنے آئے تو وہ چائے چھان رہی تھی۔

"ابھی تک ناشتہ نہیں کیا بیٹا؟"

"یہ میرے لیے ہے انکل۔" قاریہ نے فون سے سر اٹھایا۔ انہوں نے کچھ نہیں کہا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" اس نے قاریہ کا ناشتہ میز پر رکھا تو وہ اسے ساتھ لیے باہر نکلے۔

وہ ڈرائنگ روم کے صوفے پر بیٹھے اس سے اردو اخبار سن رہے تھے جب سلمان کمرے سے برآمد ہوا۔

"مجھے ناشتہ بنا دیں۔" اس نے باورچی خانے کی سمت جاتے ہوئے رک کر کہا۔

"اندر آپ کی بیگم موجود ہیں، ان سے کہیں، آپ کی خدمت ان کا فرض ہے دیبا کا نہیں۔"

اعظم میر کا لہجہ عام اور سادہ نہیں تھا۔ سلمان تو لب بھینچتا وہاں سے چلا گیا لیکن وہ بے چین ہو اٹھی۔

"میں بس پانچ منٹ میں انہیں ناشتہ دے کر آتی ہوں۔"

"بیٹا! تم پہلے بھی اس گھر کی ملازم نہیں تھیں ہماری معاون اور محسن تھیں اور اب اس گھر کا فرد ہو بلکہ تم نے ہی سب سنبھالا ہوا ہے، سربراہ ہو تم قرۃ العین کے بعد۔ میں کسی کو تمہیں کمتر گرداننے کی اجازت دیتا ہوں نہ ایسا کرتے دیکھ سکتا ہوں۔ ایک دوسرے کے لیے کام کرنے میں کوئی عار نہیں لیکن یہ میچوئل اور ایک ہی سطح پر رہ کر ہونا چاہیے، دوسرا آپ کو کمتر سمجھے تو اسے احساس دلانا ضروری ہے کہ ہم برابر ہیں۔" وہ چپ چاپ ان کی بات سن رہی تھی۔

"یہ معاملات گھر کی عورتیں دیکھتی ہیں، گھریلو ایشوز میں مجھ میں قرۃ العین جیسی قابلیت اور سمجھ نہ سہی لیکن ناانصافی نہ ہونے دوں، اتنا تو قابل ہوں۔"

وہ مسکرائے۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ آپ کی سمجھ اور قابلیت پھپھو سے بھی زیادہ ہے لیکن جواباً مدھم سا مسکرا کے رہ گئی۔ وہ اپنے طور پر بیوی کی ذمہ داریاں بھی نبھانے کی کوشش کر رہے تھے مگر بات یہاں ختم نہیں ہوئی تھی۔

کچھ دن بعد جب وہ ایک ساتھ کھانے کی میز پر موجود تھے، قاریہ کو مرچیں تیز لگیں۔ اس نے پانی کا گلاس خالی کر کے آواز کے ساتھ واپس رکھا۔

"ایسا کھانا۔" اس نے پلیٹ دور کی۔

"گھر میں موجود سبھی ممبرز کی پسند کا خیال رکھ کر کھانا بننا چاہیے، یہ نہیں کہ ایک کی مرضی اور پسند زبردستی سب کو کھانا پڑے۔" سب ہی اسے حیرت اور ناگواری سے دیکھ رہے تھے۔

"بالکل ٹھیک۔ کل سے ڈنر قاریہ بنائیں گی

www.pkdailyinfo.com
CamScanner

اور سنڈے لنچ ڈنر دونوں، ہمیں چھوٹی بہو کے ہاتھوں کا ذائقہ بھی تو پتا چلے۔" اعظم میر کی بات پر سب کو سانپ سونگھ گیا۔

"چھوٹی بہو کون؟" قرۃ العین نے پرسوچ آنکھوں سے شوہر کو دیکھا۔

"قاریہ۔" انہوں نے اس کی سمت اشارہ کیا۔ "ہمارے سلمان کی نصف بہتر، تمہاری چھوٹی بہو۔"

"اچھا۔" انہوں نے مسرت سے قاریہ کو دیکھا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" وہ اٹھ کر چلی گئی۔ اس کے پیچھے ہی سلمان بھی اپنی پلیٹ چھوڑ کر اٹھ گیا۔

"کیا ہوا؟" قرۃ العین نے باری باری سب کو دیکھا۔

"وہ کیوں ناراض ہو گئے؟"

"کچھ نہیں ہوا، آج میٹھے میں حلوہ ہے، اس کی جگہ رکھنا ہے ورنہ تم سے کھایا نہیں جاتا ہے پھر۔" انہوں نے دھیان بٹانے کے لیے حلوے کا پیالہ ان کے سامنے کیا۔

"آج میرا انڈے کا حلوہ کھانے کا دل تھا۔" قرۃ العین نے منہ بسورا۔ وہ میٹھے کی شوقین تھیں۔

"وہ کل بنا لیں گے۔" وہ انہیں باتوں میں لگا رہے تھے اور وہ تینوں خاموش تھے۔

کچھ دیر بعد قادیہ اور سلمان تیار ہو کر باہر چلے گئے۔ سب جانتے تھے، وہ باہر کھانے کے لیے گئے ہیں۔

"سلمان بھائی کتنے بدل گئے ہیں، یقین ہی نہیں آتا۔" شانو نے افسردگی سے کہا۔

اس کے چند دن بعد سلمان نے دھماکا کیا، وہ الگ گھر کرائے پر دیکھ چکا ہے اور اگلے اتوار وہاں منتقل ہو جائے گا۔ اعظم میر نے اسے کچھ نہیں کہا [illegible] نے کی [illegible] کی۔ جواباً اس کا گریز [illegible] یہ اسے مزید دکھی کر گیا۔

جو جانے کا طے کر لیں وہ کسی سے نہیں رکتے۔

☆☆☆

زندگی لگے بندھے معمول پر کاربند تھی۔ سلمان کے جانے کے صدمے کے بعد کسی طرح سب نے صبر کر لیا تھا۔ قرۃ العین کو سلمان کی یاد آتی تھی۔ جب بھی وہ اس کا پوچھتیں ان کے پاس بہانے ہوتے تھے کہ وہ دفتر گیا ہے یا دفتر کے کام سے کچھ دنوں کے لیے شہر سے باہر۔

شانو کچھ چڑچڑی سی ہو گئی تھی۔ دوسری بار بھی 'نیٹ' میں اس کے نمبر کم آئے تھے۔ تعلیمی میدان میں دو سال سے وہ ایک ہی جگہ کھڑی تھی۔ وہ ایم بی بی ایس سے کم ڈاکٹر بننے کو تیار نہ تھی۔ پیڈ سیٹ پر داخلہ لینے سے اس نے منع کر دیا تھا۔ اسے بی ایس سی کرنے میں بھی دلچسپی نہیں تھی۔

"مجھے ایک سال اور ریسٹ کرنے دیں۔" اس نے اعلان کیا۔ "ایک بار اور 'نیٹ' دوں گی۔"

اسے مصروف رکھنے کے لیے اعظم میر نے کسی طرح اسے بیکنگ سیکھنے کے بنیادی کورس میں داخلہ کروا دیا تھا۔ قرۃ العین بیکنگ میں ماہر تھیں اور ان کی بیماری کے بعد سے وہ سب ان کے ہاتھوں کے بنے کیک، کوکیز اور مفنز کو ترس گئے تھے۔ دیبا کھانا ذائقے دار بناتی تھی لیکن اسے روایتی پکوان ہی بنانے آتے تھے۔ اسی نکتے کو استعمال کرتے ہوئے انہوں نے شانو کو منا لیا تھا۔ پڑھائی شروع کرنے کے لیے وہ اب بھی تیار نہیں تھی اور حد درجہ فراغت بھی تو بیماری ہے۔

☆☆☆

"واؤ!" اسے دیکھتے ہی شانو کا منہ کھلا رہ گیا۔ "کتنا سوٹ کر رہا ہے آپ پر یہ کلر۔" اس نے گہرے فیروزی رنگ کا جوڑا زیب تن کیا تھا۔ شادی کے بعد سے اس کے پہننے اوڑھنے میں تبدیلی آئی تھی۔ چار پانچ ملگجے سے جوڑوں کی جگہ اب وہ 'ریڈی میڈ' نفیس اور اعلا برینڈ کے کپڑے پہنتی تھی جو شادی کے وقت شانو اور پھپھو وغیرہ نے مل کر

خریدے تھے۔

منیب نے لیپ ٹاپ سے توجہ ہٹا کر اسے دیکھا جو مہینے بھر کے جمع اخبار ردی والے کو دینے کے لیے الگ کر رہی تھی۔ اس کی اجلی رنگت بلاشبہ اس رنگ میں مزید کھلی اور تر و تازہ لگ رہی تھی، اس کے سیاہ بال اور سیاہ آنکھیں بھی۔ اپنی محویت پر اس نے گڑبڑا کے دوبارہ اسکرین پر دھیان لگایا۔

"آپ یہ کلر زیادہ پہنا کریں۔" شانو کی بات پر وہ مسکرائی۔

"ہے ناں بھائی؟" اس نے اسے گھسیٹا۔

"ہمم۔" اس نے کی بورڈ پر انگلیاں چلاتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے سے گریز کیا۔

"شاپنگ کرتے ہوئے ہمیں یاد آیا تھا کہ آپ سے تو پوچھا ہی نہیں کون سا کلر آپ کا فیورٹ ہے، تب پھپھو نے کہا، میں آئی ہوں تب سے اسے زیادہ گرین کلر ہی پہنے دیکھا تو وہی فیورٹ ہوگا۔" شانو بھی اس کے ساتھ بیٹھ کر اردو اور انگریزی اخبار الگ کرنے لگی۔ وہ اردو اخبار سے قرآنی آیات کے ترجمے تفسیر والا حصہ قینچی سے کاٹ کر الگ رکھ رہی تھی۔ وہ بس مسکرا دی۔ اس نے کبھی اپنی پسند سے کچھ نہیں خریدا تھا۔ جو اسے دیا جاتا، اسے وہی استعمال کرنا ہوتا تھا۔ اب بھی وہ یہی کر رہی تھی۔

"ویسے آپ بتا دیں، اب کیا پھپھو کا اندازہ درست تھا؟"

"مجھے کریم یا آف وائٹ پسند ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"اوہ! لائٹ کلرز تو لیے ہی نہیں تھے ہم نے۔" شانو نے افسوس سے کہا۔ یہ سچ تھا اس کے پاس اپنی پسند کے رنگ کا کوئی جوڑا نہیں تھا۔

اسی وقت اعظم میر قرۃ العین کے ہمراہ چہل قدمی سے واپس آئے۔

شانو ان کے لیے پانی لینے اٹھ گئی۔ اس نے ساری کترنیں اٹھا کر دراز میں ڈال دیں۔

"اخبار کی کٹنگ یہاں رکھی ہے انکل۔ آپ مسجد جاتے ہوئے لے جائیے گا۔" مسجد میں ایک ڈبہ اخبار کی عربی آیات وغیرہ کے لیے مختص تھا۔

"میں نے کہا تھا ناں چائے پی کر نہیں جاتے، اب پھر طلب ہو رہی ہے۔" قرۃ العین نے کہا۔ اعظم میر مسکرا دیے اور وہ اخبار ایک طرف رکھ کر چائے بنانے کھڑی ہو گئی۔ جاتے ہوئے قرۃ العین نے چائے پینے سے منع کر دیا تھا کہ پھر انہیں بہت پسینہ آتا ہے، اس لیے واپس آ کر پی لیں گے۔

اس کے بعد سے ہر دن منیب کا ذہن اس کے کپڑوں کا رنگ یاد کر رہا تھا اور وہ اس نئی اور عجیب پیش قدمی پر جھنجھلا رہا تھا۔

"مجھے کیا جو کلر پہنے!" وہ سر جھٹک کر بڑبڑاتا لیکن یہ صورت حال اس کے اختیار سے باہر ہو گئی تھی۔ شانو کی بات بہانا بن گئی تھی۔ اسے چلتے پھرتے کام کرتے دیکھتے ہوئے اب اس کی آنکھیں اور ذہن بھی مصروف رہنے لگے تھے۔ وہ اس وقت چونک اٹھتا جب کام کے دوران اچانک اس کے بال بنانے کے انداز سے لے کر اس کی بالی، چوڑی، دوپٹا اور کبھی وہ خود ہی چھم سے تصور میں در آتی۔

اس نے آہستہ سے دروازہ بند کیا اور بالوں کو تولیے کی گرفت سے آزاد کر کے بال خشک کرنے لگی۔ تولیہ کرسی پر پھیلا کر اس نے آئینے کے سامنے رکھی اپنی چار چوڑیوں کو دیکھا۔ منیب کی پھپھو نے اس کے ہاتھوں میں وہ کانچ کی چوڑیاں پہناتے ہوئے کہا تھا کہ کلائیاں کبھی خالی مت رکھنا۔ اب صرف چار چوڑیاں بچی تھیں۔ اسے عادت نہیں تھی سو اکثر کام کے دوران ٹوٹ گئی تھیں۔ اسے الجھن بھی ہوتی تھی سو وہ روز اتار دیتی کہ اب نہیں پہنے گی لیکن حکم عدولی اس کے مزاج میں تھی ہی نہیں۔ صبح کمرے سے نکلنے سے پہلے وہ پھر پہن لیتی۔ اب بھی اس نے چاروں چوڑیاں اٹھائیں اور ایک ہی کلائی میں ڈالنے لگی تھی کہ پہلے سے دراڑ پڑ چکی چوڑی ٹوٹ کر نیچے گر گئی لیکن اس سے پہلے کلائی پر سرخ لکیر چھوڑ گئی۔ اس نے ہلکی سی 'سی' کے ساتھ تین

www.pkdailyinfo.com
Watermarkly
CamScanner

چوڑیاں واپس رکھ دیں۔ اچانک پیچھے سے آ کر منیب نے اس کی کلائی ہاتھ میں لی تو اس بری طرح ڈری کہ منیب نے فوراً کہا۔

"میں ہی ہوں۔" منیب نے اس کے سہمے چہرے کو دیکھا۔

وہ روز اس کے جاگنے سے پہلے کمرے سے چلی جاتی تھی۔ اسے خبر نہیں تھی، وہ اس وقت نہ صرف جاگ گیا ہے بلکہ پیچھے بیٹھا اسے دیکھ بھی رہا تھا۔ چوں کہ وہ حصہ آئینے میں دکھائی نہیں دیتا تھا سو اسے پتا نہیں چلا۔

منیب نے کچھ کہے بنا دراز کھول کر ذرا سی تلاش کے بعد بینڈ ایج نکالی۔ سرخ سی لکیر کو بینڈ ایج سے ڈھانک کر اس نے دیبا کو دیکھا۔

"یہ پہننا ضروری ہے؟" اس نے نظر اس پر رکھتے ہوئے سر سے چوڑیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"آنٹی نے کہا تھا، ہاتھ خالی نہیں رکھنا۔"

"آنٹی۔؟"

"آپ کی پھپو۔"

"وہ چلی گئی ہیں اور اگر تمہیں پسند نہیں یا اس سے مسئلہ ہے تو نہ پہنا کرو۔" وہ اسے روز سونے سے پہلے چوڑیاں اتارتے دیکھ رہا تھا۔

دیبا نے سر ہلا کر جانے کیا جواب دینے کی کوشش کی، منیب کے پلے کچھ نہیں پڑا۔ وہ اپنا تولیہ لیے نہانے چلا گیا۔ واپس آیا تو دیبا کمرے میں نہیں تھی لیکن تین چوڑیاں آئینے کے سامنے پڑی تھیں۔

☆☆☆

اعظم میر اسے دو تین بار کہہ چکے تھے کہ کبھی دیبا کو باہر گھمانے پھرانے لے جاؤ۔ وہ کام کی زیادتی اور وقت کی کمی کا بہانا بنا کر ٹال رہا تھا لیکن جب قرۃ العین نے اس سے کہا تو وہ بہانا نہیں بنا سکا۔

"تم اسے کہیں لے کر ہی نہیں جاتے ہو۔ شادی کے بعد تمہارے پاپا کسی اتوار مجھے باہر نہ لے جائیں تو میرا ان کا جھگڑا ہو جاتا تھا۔"

اب وہ بہت کم ... صحیح اور ... بات کرتی تھیں اور وہ اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکا۔

"تم ریڈی ہو جاؤ، کہیں چلتے ہیں۔"

وہ مغرب کی نماز پڑھ کے جائے نماز اٹھا رہی تھی کہ منیب کی بات پر ہونق بنی ایسے ہی رک گئی۔ اس نے مصروف انداز میں فون لگاتے ہوئے اس سے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

کچھ دیر بعد وہ حلیہ سدھار کر ڈرائنگ روم میں آئی اور وہاں سب کے درمیان بیٹھا منیب کھڑا ہو گیا۔ اسے وہاں سب کے سامنے اس کے ساتھ جاتے ہوئے شرم آ رہی تھی۔ وہ کبھی پاس پاس بھی نہیں بیٹھے تھے اور اس کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھنے کے بعد اسے بند کار کی مختصر جگہ اور اس سے نزدیکی عجیب گھبراہٹ میں مبتلا کر رہی تھی۔

"کہاں چلیں؟" کار کا رخ موڑتے ہوئے اس نے پوچھا۔ وہ اسکول، کبھی کبھار محلے کی دکان اور رشتے داروں کی شادی میں شادی ہال کے علاوہ کہیں نہیں گئی تھی تو اسے کیا بتاتی۔ اس کی جز بز سی خاموشی پر اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو وہ اپنے ازلی ٹھہرے، ہچکچاتے انداز میں گویا ہوئی۔

"کہیں۔ بھی۔" اس کے متوقع جواب پر وہ مسکرا دیا۔

مال میں بھٹک بھٹک کر خریداری کے بعد انہوں نے وہیں مال کی چھت پر ریستوران میں کھانا کھایا اور واپس گھر آئے تو گیارہ بج گئے تھے۔ وہ کپڑے بدلے بغیر ہی باورچی خانے میں چلی گئی۔ اس کا رات کا آخری کام قرۃ العین اور اعظم میر کے کمرے میں دودھ پہنچانے اور دواؤں کی یاددہانی کا ہوتا تھا۔ آج اسے دیر ہو گئی تھی۔

"بیٹا!" وہ دستک دے کر اندر داخل ہوئی تو اعظم میر نے پیار بھرے انداز میں اسے پکارا۔

"ساری میڈیسن لے لی ہے اور دودھ بھی۔ آج تمہارا کام شانو نے کر دیا۔" وہ شرمندہ ہو گئی۔ باقی بھی تو ذمہ دار تھے۔

"تم آرام کرو، تھک گئی ہو گی۔"

"جی۔"

وہ کمرے میں آئی تو منیب کپڑے تبدیل کر چکا تھا۔ ساری کاغذی تھیلیاں پلنگ پر رکھی تھیں۔ وہ کپڑے بدل کر اور وضو کر کے جائے نماز اٹھانے جا رہی تھی کہ منیب نے پکارا۔

"دیبا!" اس نے پہلی بار اسے نام سے آواز دی تھی۔ وہ رکی تو چہرے پر خوش گوار حیرت میں کھلی ملی خوشی بھی تھی۔ وہ پاس آیا تو اس نے اس کے ہاتھ میں چوڑیاں دیکھیں۔ مشہور برینڈ کا اشتہار ٹی وی پر دیکھتے ہوئے اس نے کب سوچا تھا کہ کبھی کوئی اس کے لیے یہاں سے کچھ خریدے گا۔ منیب نے اس کا بایاں ہاتھ تھاما۔

"یہ ٹوٹتی نہیں ہیں۔" پتلی سی نفیس اور نازک سی تین طلائی چوڑیاں اس کی کلائی میں پہناتے ہوئے اس نے کہا۔ اس نے پھر یہ ہی دوسری کلائی کے ساتھ دہرایا۔ دیبا کا دل انجانی خوشی سے معمور ہو رہا تھا۔ اس نے پیچھے مڑ کے ساری تھیلیاں اٹھائیں۔

"یہ بھی تمہارے ہی ہیں۔" وہ یوں انہیں رکھ کر چلی گئی تھی جیسے کسی اور کے ہوں۔ دیبا نے قدرے مذبذب سے وہ اس کے ہاتھ سے لے لیے۔ وہ سوچ رہی تھی اسے شکریہ ادا کرنا چاہیے لیکن اس سے کچھ بولا نہیں جا رہا تھا۔ وہ ذرا سا سر خم کرتی وہاں سے ہٹ گئی۔

دیبا تو نماز پڑھ کے سو گئی لیکن منیب کو اس کے چہرے سے جھلکتی ملی جلی خوشی ایک عجیب سے احساسِ جرم میں مبتلا کر رہی تھی۔

"کیا تم اپنی خدمات کے بدلے بس اسی مادی صلے کی مستحق ہو؟ کیا میں نے تمہیں اس رشتے کو بنا کسی احتجاج اور ڈیمانڈ کے نبھانے پر یہ رشوت دی ہے؟ بنا احساس اور جذبات کے ان تحائف کی کوئی اہمیت ہے بھی۔؟ تمہارے لیے احساس اور جذبات تو ہیں میرے اندر لیکن محبت۔ تمہارا جائز مقام، حق۔؟"

وہ صوفے کے پاس کھڑا نیند میں ڈوبے چہرے پر پھیلی طمانیت کو دیکھ کر بے آواز اس سے مخاطب تھا۔ سوتے ہوئے بھی اس کے چہرے پر اندرونی خوشی کا اثر تھا۔

وہ نیچے لٹک رہی چادر ٹھیک سے اس پر ڈال کر بستر پر آ گیا لیکن اس شب نیند اس کے پاس نہیں آئی۔

☆☆☆

اعظم میر کا زیادہ وقت قرۃ العین کے ساتھ گزرتا تھا ان دونوں کے ساتھ اکثر دیبا بھی شامل ہو جاتی۔ وہ اس سے بھی ادھر ادھر کی باتیں کرتے تھے۔ وہ زندگی میں پہلی بار اپنی ماں کے علاوہ کسی اور سے آرام اور بے تکلفی سے بات کرنے لگی تھی۔ ان کی پدرانہ شفقت اس میں اعتماد بھر رہی تھی۔ قرۃ العین کو دیگر جسمانی عارضے بھی لاحق ہونے لگے تھے۔ موتیا بند کے علاوہ انہیں ذیابیطس بھی لاحق ہو گیا تھا۔ سیڑھیوں سے گرنے کے بعد سے گھٹنے کا درد بھی رہتا ہی تھا۔

وہ دونوں چہل قدمی کے لیے جا رہے تھے کہ ڈرائنگ روم میں دیبا کو دیکھ کر قرۃ العین کا ارادہ بدل گیا۔

"میں بیا کے ساتھ جاؤں گی۔"

"آ جاؤ بھئی، تم بھی ہمارے ساتھ۔" اعظم میر نے کہتے ہوئے ہاتھ سے اسے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

"آپ نہیں۔" انہوں نے نروٹھے پن سے کہا۔

"صرف میں اور بیا ہم دونوں ہی واک کو جائیں گے۔"

"اوکے۔ جاؤ بیا۔" انہوں نے تو آرام سے کہہ دیا لیکن دیبا کو بڑا برا لگا۔

اتنا برا کہ اگلی صبح جب وہ اخبار پڑھ رہے تھے تو انہیں چائے دینے کے بعد وہ ان کے سامنے بیٹھ گئی۔ وہ انہیں کہنا چاہتی تھی کہ آپ ان کی بات کو دل پر نہ لیں۔ اسے قرۃ العین کا اعظم میر پر اسے ترجیح دینا

www.pkdailyinfo.com
CamScanner

اپنی خطا لگ رہا تھا۔ وہ ان حالات میں بیوی کا جتنا اور جیسا خیال رکھ رہے تھے، وہ اس کی گواہ تھی اور وہ اس برتاؤ کے مستحق نہیں تھے جیسا ان کے ساتھ اس کی وجہ سے ہوا تھا۔ اسے اپنی پھوپھو پر رشک آتا تھا اور ان دونوں کے ایک ساتھ جانے کے بعد اعظم میر کا پیچھے تنہا رہ جانا اس کے ذہن سے نکل نہیں رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" انہوں نے اخبار بند کر کے رکھا۔

"کل پھوپھو نے مجھے۔" اسے عادت کہاں تھی اب بھی اس سے جملے نہیں بن رہے تھے۔

"وہ۔ مجھے اپنی کزن سمجھ رہی تھیں، اس لیے۔ وہ ماضی میں تھیں۔ ورنہ پھوپھو۔ وہ آپ سے۔۔۔" وہ جس طرح مسکرائے، وہ رک گئی۔

"تم بہت حساس ہو بیٹا۔" ایسی شفقت سے اسے اعظم میر سے پہلے کسی مرد رشتے دار نے مخاطب نہیں کیا تھا، وہ سارے مرد جس سے اس کا خون کا رشتہ تھا۔

"تم ابھی نہیں سمجھو گی۔ محبت احساس اور خلوص جب ایک سطح پر ہو تو پھر اس سے مضبوط رشتہ کوئی نہیں ہوتا، اس کے بعد کوئی بات، کوئی راز، کوئی انہونی، کوئی جھٹکا دو نفوس کو جوڑنے والی کڑی کو کمزور کرنے کا اہل نہیں رہ جاتا اور تعلق کا حسن یہ ہی رفاقت تو ہے جس میں ماضی اور مستقبل کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی، سب کچھ حال ہوتا ہے، یہ پل جب ہم ساتھ ہیں، پاس ہیں، یہی تو سب کچھ ہے، یہ ہی تو 'ہم' ہیں۔ اور 'ہم' کا ہونا ہی خوشی ہے، زندگی ہے۔ عینی کا دل بدلا ہے نہ محبتیں، کہیں کھوئی ہیں بس اس کا دماغ دغا دے گیا ہے لیکن میں خوش ہوں، مجھے کوئی شکایت نہیں کیوں کہ وہ میرے پاس، میرے ساتھ، میرے سامنے ہے، مجھے اس کے ہر احساس کی خبر ہے۔ وہ کہنے سے قاصر ہے لیکن میں سمجھنے سے نہیں، وہ اظہار سے معذور ہے مگر میں پذیرائی سے نہیں۔" وہ ذرا رکے۔

"مجھے عینی کی کسی بات سے تکلیف

ہوتی ہے نہ برا لگتا ہے۔ ہم اس اسٹیج سے بہت آگے نکل آئے ہیں۔ تم اتنا نہ سوچو۔"

اس کے سر سے جیسے کوئی بوجھ اتر گیا۔

"تمہیں پتا ہے نا ہمارا بچپن ایک ہی محلے میں گزرا ہے؟ ہم پڑوسی تھے۔ ساتھ میں چھپن چھپائی اور کرکٹ کھیلتے تھے۔ ہمارا اسکول بھی ایک ہی تھا۔ بعد میں میں پڑھائی کے لیے دوسرے شہر چلا گیا تھا لیکن۔" وہ دلچسپی سے سننے لگی تھی۔

☆☆☆

خود کو ہشاش بشاش اور صحت مند سمجھنے اور دکھانے والے اعظم میر کو اچانک شام میں اس قدر گھبراہٹ نے گھیرا کہ شانو انہیں لے کر اسپتال بھاگی۔ فون ملتے ہی منیب بھی وہاں پہنچا۔ انہیں دل کا دورہ پڑا تھا۔

جانے اور کون کون سی اور کتنی آزمائشیں باقی تھیں۔ اعظم دو دن اسپتال میں رہ کر ڈھیروں ہدایات اور دواؤں کے نسخے لے کر واپس آ گئے۔ انہیں گھر میں موجود قرۃ العین کی فکر تھی۔ سلمان اور منیب باری باری ان کے پاس رکے تھے۔

منیب کو افسوس تھا کہ وہ باپ کی طرف سے غافل ہو گیا تھا۔ ایک عمر کے بعد سب ہی کو احتیاط اور وقتی جانچ کے ساتھ ساتھ ذہنی وجسمانی سکون کی حاجت ہوتی ہے اور اعظم میر کی زندگی میں جب یہ وقت آیا تو انہیں وہ ملا جس سے انہیں بچنے کی ضرورت تھی، ذہنی جسمانی مشقت اور فکریں۔

"میں ٹھیک ہوں اب، تم سب اپنی پریشان شکلیں درست کر لو۔" گھر آ کر انہوں نے سب کو ڈانٹ لگائی۔

"آپ خود سے بالکل لاپروا ہو گئے ہیں پاپا۔ آپ بھول گئے ہیں، اب آپ بوڑھے ہو رہے ہیں۔ آپ کو تھوڑا سلو ہونے کی ضرورت ہے۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہتا ان کے پاس بیٹھ گیا۔

"اس اسپیڈ بریکر نے یہ بات ذہن نشین کرا دی ہے بیٹا۔ تم فکر نہ کرو، اب خیال رکھوں گا۔

یہ بھی سانسیں گن کر دی گئی ہیں وہ کسی بیماری یا صحت مندی کو دیکھ کر اپنی گنتی کم زیادہ نہیں کرتیں، وہ بس مقررہ وقت کی منتظر ہوتی ہیں، مدت پوری ہوئی اور وہ ختم۔ تمہیں اس لیے وقت سے پہلے فکر کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہونا۔ ہاں احتیاط تو لازم ہے جو میں کروں گا۔"

وہ پہلے سے فکر مند اولاد کو اپنی وجہ سے مزید تفکرات نہیں دینا چاہتے تھے۔

"تم سب بھی اسے سر پر سوار مت کرو۔" وہ حوصلہ دینے کے لیے خوش دلی سے مسکرائے تھے۔

ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق اس نے دیبا کو ان کی غذا اور پرہیز کا بتایا اور وہ خود ان کی دوائیوں اور وقفے وقفے سے ڈاکٹر سے جانچ کا خیال رکھنے لگا۔

سلمان اور فاریہ بھی باپ کی خیریت پوچھنے آئے تھے۔ فاصلوں نے ان کے بیچ تکلف کی دیوار کھڑی کر دی تھی۔

☆☆☆

کبھی کبھی یکسانیت بھی انسان کو تھکا دیتی ہے۔ یہاں تو یکسانیت کے ساتھ اداسی اور ذہنی پریشانیاں بھی تھیں۔ زندگی جس نہج پر چل پڑی تھی، وہ کسی نے سوچا نہ تھا۔ سلمان ان تینوں میں پہلے سے ہی قدرے خودغرض اور لاپروا سا تھا لیکن وہ اس مشکل وقت میں یوں آنکھیں پھیر لے گا ایسا بھی نہیں لگتا تھا۔ وہ مہینوں گھر آتا تھا نہ فون کرتا تھا۔ جب اعظم میر یا منیب اسے فون کرتے تو بات ہوتی، وہ اسے گھر آنے کا کہتے تو ملاقات۔ چند سالوں میں ہی ان سب کی زندگی کے منصوبے، خواہشیں اور خواب بدل گئے تھے۔ سب کچھ قبول کر لینے کے بعد بھی کبھی کبھی اسے لگتا وہ کسی اور کی زندگی جی رہا ہے۔

وہ اسی شہر میں اٹک گیا تھا۔ جب کہ اس کا منصوبہ تھا کہ وہ ایک سال بعد اپنی فرم ممبئی یا بنگلور منتقل کرے گا۔ اسے اپنا کام خوب بڑے پیمانے پر پھیلانا تھا۔ کبھی کبھی ساری باتیں ایک ساتھ اسے اداس کرنے دل و دماغ پر حاوی ہو جاتی تھیں۔ اس پر ستم اب اعظم میر کی گرتی صحت تھی۔ وہ اس کے لیے ہمت اور امید کی چٹان تھے اور اب اسی چٹان کو مٹی ہوتے دیکھنا اعصاب شکن تھا۔ وہ پہلی بار اس بھری دنیا میں خود کو اکیلا محسوس کر رہا تھا۔

اب اکثر اسے منفی سوچوں کا دورہ پڑنے لگا تھا۔ ماں کے بعد یہ اس کی ذمہ داری تھی کہ وہ سب کچھ ویسا ہی رکھتا جیسے قرۃ العین نے رکھا تھا۔ اس گھر کو سنبھالنا اس کی ذمہ داری تھی جس میں وہ ناکام ثابت ہوا تھا۔ شانو کی پڑھائی سے دوری اور سلمان کی گھر سے دوری اور اعظم میر کے دل کا دورہ اسے سب اپنی ناکامی لگنے لگے تھے۔

دیبا چائے کا خالی کپ لینے واپس آئی تھی۔ اسے یوں بت بنا بیٹھا دیکھ کر رک گئی۔ چائے کا کپ جوں کا توں پڑا تھا۔ پلٹ کر واپس جانے کے بجائے وہ انگلیاں مروڑتی وہیں جمی رہی پھر کچھ ہمت جمع کر کے آگے آئی۔ اس کے صبیح چہرے کی تھکان اور اداسی نے اسے یوں بے چین کیا تھا کہ وہ اس کے پاس پہنچ گئی تھی مگر اب کیا کہے، کیا کرے، سوجھ نہیں رہا تھا۔

اس کے اتنے پاس آنے پر منیب چونکا۔

"اوہ سوری۔ مجھے یاد ہی نہیں رہا۔" اس نے گردن گھما کر کپ کو دیکھا۔

"تم گرم کرو میں ادھر ہی آ رہا ہوں۔"

وہ بیڈ سے اٹھ کر کپڑے تبدیل کرنے جانے لگا تھا کہ دیبا نے روکنے کے لیے اچانک اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ جتنا وہ حیران ہوا، دیبا اس سے زیادہ حیران تھی۔

"آپ آرام کریں، میں یہیں لے آتی ہوں۔" اس نے اپنے دائمی ہچکچاتے انداز میں کہہ کر ہاتھ چھوڑا اور کپ اٹھا کر جانے لگی تھی کہ اب کے منیب نے بے قراری سے ہاتھ پکڑ کر روکا۔ ذرا دیر پہلے اس لمس میں اسے جو تسلی اور اپنائیت ملی تھی وہ اسے گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ دیبا سراسیمہ سی اسے دیکھنے لگی۔ اس سے خطا تو سرزد ہوئی تھی۔

منیب نے اس کے ہاتھ سے کپ لے کر

www.pkdailyinfo.com
CamScanner

سابقہ جگہ رکھا اور خود بھی پلنگ پر بیٹھ گیا۔ وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ منیب نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں لیا۔ اب وہ اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر بیٹھا تھا۔ دیبا دم سادھے اسے دیکھ رہی تھی۔ منیب نے کچھ ساعتوں بعد سر اٹھایا تو اس کا چہرہ دیکھ کر خفیف سا مسکرا دیا۔

"ڈر کیوں رہی ہو، کیا میں تمہارا ہاتھ نہیں تھام سکتا؟"

"آپ مجھے بھی تھام سکتے ہیں۔" وہ یہ سوچ ہی سکتی تھی اور سوچ کے ہی رہ گئی۔ منیب کی مسکراہٹ نے اس کے چہرے پر اڑتی ہوائیاں دور کر دی تھیں۔

"تم کچن میں برنر پر کچھ چھوڑ آئی ہو؟" دیبا نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو کچھ دیر بیٹھو میرے پاس۔" اس نے خود ہی ایک ہاتھ چھوڑ کر اسے پلنگ پر اپنے بازو میں بٹھا لیا۔

وہ گردن موڑے اسے دیکھ رہا تھا۔ دیبا نے سر نہیں اٹھایا۔ اس کے گال کو چھوتی بالی سے پھسلتی نظر چہرے پر ٹھہر گئی تھی۔ جب وہ بڑی دیر تک خاموش رہا تو دیبا نے جھجکتے ہوئے اسے دیکھا۔

"آپ کو کوئی بات پریشان کر رہی ہے؟" ہاتھ پکڑ کر روکنا اس کا بے اختیاری عمل تھا لیکن اس کے بعد جو منیب کا ردعمل تھا، اس نے یہ اختیاری جملہ اس سے بلوایا تھا۔ آج اس سے جس نے یہ پیش قدمی کروائی تھی وہ پریشانی نہیں تنہائی تھی۔

"اگر کر رہی ہے تو تم کیا کرو گی؟" اس نے سر اونچا کر کے اس کی گہری سیاہ آنکھوں میں دیکھا۔

"مم۔ میں۔ میں آپ کو تسلی دے سکتی ہوں۔" اس کا وہی دھیما اور رکتا ٹھہرتا لہجہ۔

"کیسے؟"

"آپ ناامید نہ ہوں، اللہ پر یقین رکھیں، دعا کرتے رہیں، اس سے ہمت اور رہنمائی مانگیں۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر کہتی رک گئی۔

"مجھے سکون سے سر رکھ کر آنکھیں بند کرنے کے لیے کاندھا اور ایک ایسی پیار بھری تھپکی چاہیے جس کے بعد کچھ مشکل نہیں لگتا، سب ٹھیک ہو جاتا ہے، جیسی امی اور پاپا سے ملتی تھی۔" حسرت اس کی آنکھوں سے جھانک رہی تھی اور اس کی آواز کی ایمان داری اس کے لفظوں سے زیادہ پر اثر تھی۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی لیکن جب بولی تو اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"یہ دونوں تو کب سے آپ کی دسترس میں ہیں۔" منیب نے پلکیں جھپک کر آنسو روکتی دیبا کو دیکھا۔ کبھی کبھی ناممکن اور پہاڑ سی لگنے والی مشکل ایک پل میں سہل ہو جاتی ہے۔ وہ احساسات اور جذبات کی ترجمانی اور اظہار کے معاملے میں صفر تھی، اسے دل کی بات کہنے کا سلیقہ تھا نہ تجربہ لیکن اس وقت بنا کسی جھجک اور تامل کے یہ رات [illegible] کے جذبات عیاں کر گئی تھی۔ اس کے لیے اس نے کوشش کی بھی نہ ہمت کی ضرورت پڑی تھی۔ اس کا اظہار جتنا سچا تھا اتنا ہی بے ساختہ تھا۔

"اور میں بے وقوف جواب تک خود کو محروم رکھے ہوئے تھا۔" اس نے دست و بازو کو حرکت دے کر اسی پل اپنی محرومی کا ازالہ کرتے ہوئے کہا۔

ذرا دیر بعد اس کی پشت تھپکتے ہوئے اسے اعظم میر کی بات یاد آئی تھی۔

"شادی کی اصل خوبصورتی رفاقت ہے بیٹا، یعنی اس میں ربط، دوستی اور مصاحبت ہو تو یہ دنیا کا خوبصورت رشتہ بنتا ہے۔"

"جانے ان میں سے آج ہمارے بیچ کس کی بنیاد پڑی ہے۔" اس نے سوچا تھا۔ منیب میر کے اندر ذرا دیر پہلے ہوئے کوتاہ اندیشی و کوتاہ نگاہی کے احساس کے ساتھ ہی سکون اترا تھا۔ اس کی تھکن زائل ہونے لگی تھی۔ اس نے جانا کہ وہ اتنا تنہا نہیں تھا جتنا وہ خود کو سمجھ رہا تھا۔

☆☆☆

سلمان مٹھائی کے ساتھ انہیں خوش خبری سنانے آیا تھا۔ فاریہ امید سے تھی۔

"سلمان کی شادی کب ہوئی؟" قرۃ العین کا پہلا سوال تھا۔ شانو نے انہیں موبائل میں تصویریں دکھائیں جن میں وہ بھی تھیں۔

"تو منیب کی بیوی کہاں ہے؟" تصویر دیکھ کر انہوں نے پوچھا۔

"یہ دیبا بھابھی تو ہیں امی! منیب بھائی کی وائف۔" شانو نے اس کی طرف اشارہ کیا۔

"اچھا، یہ ہے، اچھی ہے۔" انہوں نے بغور اسے دیکھا۔

کچھ دیر بعد باتوں کے درمیان انہوں نے مٹھائی کے ڈبے سے مٹھائی کا ایک ٹکڑا اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔

"تمہاری خوش خبری پر تمہارا ہی منہ میٹھا نہیں کیا۔" ان کا بڑھا ہاتھ دیکھ کر وہ ابھی تو سہی ساتھ ہی حیا سے سرخ ہو گئی۔ اعظم میر نے اشارہ کیا تو وہ اٹھ کر ان کے قریب ہوئی۔ انہوں نے اس کے منہ میں مٹھائی ڈالتے ہوئے خیال رکھنے کی ہدایتیں جاری کیں۔

سلمان تو چلا گیا لیکن اس کے بعد وہ سب سے چھپی چھپی پھرنے لگی۔

وہ رات کو بہت دیر سے کمرے میں آئی جب منیب بھی بتیاں بند کر کے سو گیا تھا۔ کمرے میں اتنا اندھیرا نہیں ہوتا تھا جتنا اس وقت تھا۔ دبے پیر چلتی وہ الماری تک آئی اور اندازے سے ٹٹول کر پٹ کھول کر چادر اور تکیہ نکالا۔ آہٹ پر منیب کی آنکھ کھلی اور گھپ اندھیرا دیکھ کر وہ اٹھ بیٹھا۔ لائٹ جلانے کی نیت سے وہ آگے بڑھا اور ہاتھ سے ٹٹولتے ہوئے صوفے تک پہنچنے کی کوشش کر رہی دیبا سے ٹکرا گیا۔

"دیبا؟" اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"جی۔" اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔

"اتنا اندھیرا کیوں، تم نے نائٹ بلب بند کر دیا؟"

"نہیں۔ میں آئی تو ایسے ہی اندھیرا تھا۔"

"دروازے کے پاس ہی سوئچ ہے، لائٹ آن کر لیتیں۔" وہ چپ رہی۔ وہ تو یہ سوچ کر اندھیرے میں چل رہی تھی کہ وہ اندھیرا کر کے سویا ہے۔

"نہیں رکو۔" اس نے اندازے سے اسے شانوں سے تھام کر ایک طرف کیا اور آگے بڑھ گیا۔ کچھ پل بعد کمرہ روشنی سے بھر گیا۔ وہ نائٹ بلب جلا کر سونے لیٹا تھا۔

"فیوز ہو گیا ہے، آج اندھیرے [illegible] پڑے گا۔" اس نے بلب کا جائزہ لینے کے بعد اسی جگہ کھڑی دیبا کو دیکھا۔ وہ کوئی بات کہے بغیر نفی میں سر ہلاتی صوفے کے پاس آ گئی۔ تکیہ سرہانے رکھ کر وہ لیٹ گئی تب منیب نے بتی بجھا دی اور اپنی جگہ آ گیا۔ کمرے میں پھر گھپ اندھیرا تھا۔

دیبا جو نیند سے بے حال اندر آئی تھی، اب پوری طرح جاگ گئی تھی۔ کروٹ لے کر اس نے ہاتھ یوں صوفے پر رکھا تھا جیسے وہ اب بھی منیب کی گرفت میں ہو۔ وہاں مچل رہے ننھے ننھے جگنو اسے سونے نہیں دے رہے تھے۔ اسے خبر نہیں تھی کہ پلنگ پر لیٹا منیب بھی کچھ اسی کیفیت سے گزر رہا ہے ورنہ اس کا دل جانے کیسے قابو ہوتا!

☆☆☆

اسے صبح سے چھینکیں آ رہی تھیں لیکن اس نے دھیان نہیں دیا۔ وہ نزلہ زکام کی دوا لینے سے حتی المقدور پرہیز کرتی تھی۔ وجہ ان کو پھانکنے کے بعد آنے والی بے ہوشی جیسی نیند تھی۔

"تم دوا لو اور آرام کرو۔" صبح اس کی سرخ ناک اور بدلی آواز پر منیب نے کہا تھا۔

"جی۔" اس نے سر ہلا کر ہامی بھر لی تھی کہ اسے انکار نہیں کر سکتی تھی۔

"کمرے میں رکھی ہے یا تم پاپا سے لے لینا، ان کے پاس بھی ہو گی۔" آفس سے دیر ہو رہی تھی ورنہ وہ خود ہی اسے تھما جاتا۔

www.pkdailyinfo.com
Watermarkly CamScanner

شام تک اس کی حالت مزید خراب ہو گئی۔ اعظم میر اسے کام چھوڑ کر کمرے میں آرام کرنے کا کہہ گئے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آئے تو وہ ہنوز مصروف تھی۔

"یہ ٹیبلیٹ اور چائے کا کپ لے کر کمرے میں جاؤ اور اس کے بعد کچن میں نظر نہیں آنا۔" انہوں نے پیار بھرا حکم دیا۔

"میں کھانا تیار کر دوں پھر چلی جاؤں گی۔"

"کھانا باہر سے آسکتا ہے اور باقی کام شانو دیکھ لے گی۔ میں نے اس سے کہہ دیا ہے، وہ آ رہی ہے۔" تب ہی شانو بھی آ گئی۔

"آپ مجھے آواز دے دیتیں ناں بھابھی۔"

اسے زور سے چھینک آئی۔

"آپ کمرے میں جائیں۔ میں دوائی اور چائے دونوں لاتی ہوں۔" اس نے باپ کے ہاتھ سے دوا لے کر دیبا سے کہا۔ اسے چاروناچار کمرے میں جانا پڑا۔

کمرہ اور پلنگ خالی تھا۔ وہ پلنگ کے کنارے بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد شانو چائے بسکٹ اور دوائی اسے دے گئی۔

"آپ کمرہ بند کر کے آرام کریں۔" جاتے ہوئے اس نے کہا۔

اس نے چائے کے ساتھ دوا لی اور چادر اوڑھ کر صوفے پر لیٹ گئی۔ رات تو ہو ہی گئی تھی۔ اب وہ بے ہوش ہو کر بھی سوتی تو کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ ذرا دیر میں ہی وہ بے خبر سو رہی تھی۔

رات کے جانے کس پہر اس کی نیند ٹوٹی تھی۔ نیم تاریکی میں اسے یاد آیا، وہ دوائی لے کر سوئی تھی۔ اب بھی اس پر غنودگی سوار تھی۔ اس نے ٹٹول کر اپنی چادر اوپر کھینچنی چاہی، اس کوشش میں اس نے آنکھیں نیم وا کیں اور تھم گئی۔ وہ پلنگ پر تھی اور سامنے یقیناً منیب سو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں چوپٹ کھل گئیں۔

اس نے چادر بھول کے کم سے کم ہلچل اور آواز [illegible] کی تا کہ [illegible] کی نیند نہ ٹوٹے۔

ابھی پوری طرح اٹھی بھی نہیں تھی کہ منیب نے ہاتھ بڑھا کے اسے واپس لٹا دیا۔ اس کا سانس سا رک گیا اور آنکھیں بند ہو گئیں۔ منیب کا ہاتھ اب بھی اس کے کاندھے پر تھا۔ اس نے دم سادھے تنفس کو بحال کرتے ہوئے آنکھیں کھولیں اور اس کے چہرے کو دیکھنے کے بجائے درمیان کے خلا پر نظر لگا دی۔ ابھی وہ صوفے سے یہاں آنے کا سفر سوچ ہی رہی تھی کہ منیب نے اپنے اوپر پڑا لحاف اس تک پھیلا کر خلا کو معدوم کر دیا۔

اگلی صبح گھر [illegible] افراد جھینپ رہے تھے۔

☆☆☆

منیب کو اس کے آس پاس منڈلاتے اور دیبا کو شرماتے دیکھ کر اعظم میر سب سے زیادہ خوش تھے۔ وہ پہلے بھی ان کے فاصلوں سے واقف تھے لیکن منیب پر زور زبردستی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس نے شادی کی ہامی بھر کے ہی بہت بڑا فیصلہ کیا تھا۔ وہ عروبہ کے متعلق جانتے تھے، اس لیے سمجھتے بھی تھے کہ اس کے بعد اسے وقت چاہیے۔ انہیں اتنا تو یقین تھا کہ اس نے دیبا کی ذمہ داری لی ہے تو کوتاہی نہیں کرے گا اور بیٹے نے ان کا یقین قائم رکھا تھا۔

پہلے ایک سال تک گھر کے در و دیوار نے اس کی آواز ہی نہیں سنی تھی پھر وہ چند جملے کہنے لگی تھی اور اب تقریباً تین سال بعد اس کی ہنسی کی کھنک سے در و دیوار بھی خوش تھے۔

شانو سنجیدگی سے بیکنگ کو اپنا پروفیشن بنانے پر غور کر رہی تھی۔

سلمان کا خاندان بیٹی کی آمد کے بعد مکمل سا تھا۔ وہ ان سے دور ہی ہوتا جا رہا تھا۔ عابدہ ان کے ہی ساتھ رہنے لگی تھیں۔

پھر بڑی خاموشی سے ایک قیامت آئی۔ اعظم میر رات کو سوئے تو سوتے ہی رہ گئے۔ جب قرۃ العین کے جگانے پر وہ اٹھے نہیں تو انہوں نے گھبرا کے منیب کو آواز لگائی۔ باپ کے سرد جسم کو چھوتے

ہی یتیمی کا احساس اسے گھائل کر گیا۔

شانو کو اگر ماں کی فکر نہ ہوتی تو وہ کبھی خود کو سنبھال نہیں پاتی۔ اس نے ان کی خاطر خود کو مضبوط کر لیا تھا۔ جب سب کے درمیان انہوں نے روتی شانو کے کان میں سرگوشی سے پوچھا۔

"کس کی میت ہے؟" تو وہ ساکت ہو گئی تھی۔

وہ اپنی ماں کو، اپنے گھر کو اس وقت دنیا کے لیے تماشا نہیں بنانا چاہتی تھی۔ باپ کا آخری سفر عزت اور وقار سے طے ہو اس کی خاطر اس نے غم منانا موخر کر کے خود کو سنبھال لیا اور ایک بار پھر ماں کا سایہ بنی ان کے ساتھ رہی۔

کبھی وہ سب کو روتے دیکھ کر رونے لگتیں تو کبھی سب کو تسلی دیتیں اور جب انہیں اپنے خسارے کا احساس ہوا تو وہ پاگلوں کی طرح چیخنے اور رونے لگیں۔

سلمان کے آنسو تھم نہیں رہے تھے۔ ہم سمجھتے ہیں بہت وقت ہے، معاملات استوار کرنے، معافی مانگنے، پلٹنے اور سنبھلنے کے لیے لیکن تقدیر کا لکھا ایسے [illegible] جھنجھوڑ کر بیدار کر دیتا ہے کہ وقت کسی کا نہیں۔ سلمان کے ملال عارضی تھے یا دیرپا، یہ وقت کو طے کرنا تھا اور رہا منیب تو وہ پہلی بار رب سے شکوہ کناں تھا۔ کسی کی تسلی اور دلاسا اسے سکون نہیں دے رہا تھا۔

وہ سوچ [illegible] لیے کام میں لگی تھی۔ اس کا دکھ کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا لیکن اپنے دکھتے دل کی وجہ سے اسے ان سب کی تکلیف کا احساس بھی بہت زیادہ تھا۔

اعظم میر اور اس کا کوئی خونی رشتہ نہیں تھا مگر ان میں اس نے اپنے باپ کو دیکھا تھا۔ اسے اپنے والد کی صورت بھی تصویر والی یاد تھی۔ تین سال کی عمر میں اس نے انہیں کھویا تھا۔ چاچا اور ماموں نے اسے اپنے رشتے والی محبت اور توجہ نہیں دی تو وہ باپ کی کمی کیا پوری کرتے۔ اسے لگ رہا تھا ان تینوں کے ساتھ آج وہ بھی یتیم ہوئی ہے۔

وہ چولہے کے پاس کھڑی تھی جب وہ اسے ڈھونڈتا اندر آیا۔ آہٹ پر اس نے جلدی جلدی آنکھیں رگڑیں اور کپ نکالنے لگی۔ منیب نے ہاتھ سے کپ لے کر رکھا اور اس کا رخ اپنی طرف کیا۔ وہ نظر جھکائے ضبط سے سرخ تھی۔ وہ اس کے پاپا کو ان سب کی طرح عزیز تھی، صرف یہی وجہ کافی تھی مگر اب تو اس کے پاس اپنی بھی وجہ تھی۔ اس نے کچھ کہے بنا اسے خود سے قریب کیا اور اس کے سارے ضبط ختم ہو گئے۔

عروبہ دروازے پر ہی ٹھٹھک کر رک گئی۔

"وہ۔ سب وہاں۔ چائے کا پوچھ رہے ہیں۔" اس نے آہٹ پر دروازے کی سمت متوجہ ہوئے منیب سے کہا۔

"تم خود دیکھ لو۔" وہ دیبا کا ہاتھ تھامے اس کے بازو سے گزر گیا۔ عروبہ پلٹ کر انہیں راہداری کے سرے پر منیب کے کمرے میں جانے تک دیکھتی رہی۔ اسے شدت سے اپنی غلطی اور نقصان کا ادراک ہوا تھا۔

"آپ یہاں کیوں لے آئے؟ کام بہت ہیں، وہاں سب پوچھیں گے۔" اس نے پیچھے دروازہ بند کیا ہی تھا کہ دیبا نے کہا۔ اس کی روئی سی آواز تھکن کے بوجھ سے دبی تھی۔ اس کا بھی کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن عروبہ کو دیکھ کر بے اختیار ہی وہ اسے کمرے میں لے آیا تھا کہ بھرے گھر میں انہیں خلوت کی ضرورت تھی جو اس وقت نہیں میسر تھی۔

"کیوں کہ مجھے بھی تم سے کچھ پوچھنا ہے۔"

وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"تم ٹھیک ہو؟"

"کوئی بھی اس وقت ٹھیک نہیں، آپ بھی نہیں ہیں۔" وہ انجانے میں اسے لاجواب کر گئی۔ اگر وہ اسے تشفی دینا چاہتا تھا، اسے اپنے ساتھ ہونے کا احساس دلانا چاہتا تھا تو وہ بھی وہی کر رہی تھی۔

اس بار اس نے دیبا کے گرد بازو پھیلائے تو صرف اس کے ہی نہیں اپنے آنسوؤں کو بھی راستہ دیا

تھا۔

☆☆☆

قرۃ العین اب ایک دم تنہا ہو گئی تھیں۔ عابدہ ان ہی کے کمرے میں سونے لگی تھیں۔ شانو کا زیادہ وقت بھی ماں کے ہمراہ گزرتا تھا لیکن وہ ہمہ وقت ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی تھی۔ جانے اعظم میر کیسے قرۃ العین کو سنبھالتے تھے کہ اب وہ تینوں مل کر بھی ویسا نہیں کر پا رہے تھے۔

سلمان اور قاریہ کچھ دن ان کے ساتھ ٹھہرے تھے لیکن اس کے بعد سے پلٹ کر خبر نہیں لی تھی۔ سب کو ان کی بے رخی اور سرد مہری کا دکھ تھا مگر ان سب کے ساتھ منیب تنہا ہی ایک اور رنج سے نبرد آزما تھا۔

کروٹیں بدل بدل کر بالآخر وہ بستر چھوڑ کے اٹھ گیا۔ اس نے گہری نیند میں ڈوبی دیبا کو دیکھا اور آہستہ سے دروازہ بند کر کے لان میں چلا آیا۔ ٹہل ٹہل کر بھی جب بے چینی کم نہ ہوئی تو وہ پورچ کے زینے پر بیٹھ گیا۔

"یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟" وہ بازو میں آ کر بیٹھی تو وہ چونکا۔

"نیند نہیں آ رہی۔ تم کیوں ادھر آ گئیں؟"

"آپ کو ڈھونڈتے ہوئے آ گئی۔" وہ کبھی ایسے رات کو اٹھ کر کمرے سے باہر نہیں گیا تھا، شادی کے اولین دنوں میں بھی نہیں جب ایک ان چاہی ہستی کی موجودگی اسے ناگوار گزرتی تھی۔

"آپ کو انکل کی یاد آ رہی ہے؟" دیبا نے دھیرے سے پوچھا۔

"وہ تو ہمیشہ آتی ہے، تمہیں بھی آتی ہوگی۔"

"ہاں۔ مجھے بھی بہت یاد آتے ہیں انکل۔" وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر پورا اس کی طرف گھوم گیا۔

"میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" اس کے جملے سے زیادہ وہ اس کے انداز اور چہرے کے تاثر پر ٹھٹکی اور اس کے چہرے پر پریشانی پھیل گئی اور ایک پل منیب کا ...

"کہیں ناں!" خاموشی کے طویل ہوتے وقفے پر دیبا نے کہا۔

اس نے گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اپنی محبت کے اظہار کے لیے انگریزی کے تین لفظوں کا سہارا لیا اور وہ بری طرح شرما گئی۔ منیب نے بازو بڑھا کر ہنستے ہوئے اسے قریب کیا اور پھر دہرایا۔ وہ ... سرخ ہوتی چہرہ چھپاتے لگی۔

"تم سن کر جیسے ری ایکٹ کر رہی ہو، اس کا مطلب ہے، میں تم سے ایسے کنفیشن کی امید نہ ہی رکھوں؟" منیب نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے انگلی رکھ کے چہرہ اونچا کیا۔ اس نے جھکی آنکھوں کے ساتھ یوں سر ہلایا جیسے کہہ رہی ہو۔

"نہ ہی رکھیں!"

"اوہ دیبا!" اس نے ہنستے ہوئے اسے مزید قریب کر لیا۔

جس نے اس کی نیند اڑا دی تھی، وہ بات وقتی طور پر اس کے ذہن سے محو ہو گئی تھی۔

☆☆☆

لیکن اس کا اضطراب کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا اور آخر آج وہ یہ بوجھ ہلکا کرنے کے ارادے پر عمل پیرا ہوا تھا۔

"تم میرے لیے کسی راہ چلتے اجنبی سے زیادہ نہیں تھیں، تمہیں دیکھ کر ہمیشہ ہی میرا موڈ خراب ہو جاتا تھا۔ ڈری سہمی دیبوی دیبا مجھے اپنے گھر میں بھی کوفت زدہ ہی کرتی تھی لیکن پھر امی کے ساتھ تمہارا برتاؤ اور پاپا کی باتوں کی وجہ سے مجھے احساس ہوا کہ تم درد مند اور مخلص ہو لیکن شادی میں نے تم سے مجبوری میں کی تھی، دل پر پتھر رکھ کے، وہ مجھے اپنی زندگی کا سیاہ ترین دن لگا تھا۔ میں تمہیں اپنی لائف پارٹنر کے روپ میں تصور ہی نہیں کر پا رہا تھا، تم میرے لیے ان پڑھ اور گھر میں رہنے والی اعتماد سے خالی لڑکی تھیں اور ایسی لڑکیاں مجھے سخت ناپسند تھیں۔ لیکن تمہیں اس گھر میں رکھنا ضرورت تھی، کوئی اور مجھ سے شادی کے لیے تیار نہ تھا اور تمہارا نام پاپا

نے لیا تھا۔ جب کہ مجھے عروبہ پسند تھی، مجھے اس سے محبت تھی یا مجھے لگتا تھا کہ مجھے اس سے محبت ہے، اس نے مجھے ریجیکٹ کر دیا تھا، وہ امی کی بیماری کے بعد والی کنڈیشن میں مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر یہ گزری باتیں ہیں سچ یہ ہے کہ اب میرے دل میں، میری زندگی میں بس تم ہو تمہارے جیسا کوئی نہیں ہے، جیسے تم نے میرے دل کو چھوا ویسے کوئی نہیں کر سکا نہ ہی کبھی کر سکے گا۔ تم مجھے عزیز ہو، مجھے تم سے محبت ہے، بے حد، بے انتہا، بے تحاشا۔"

اس نے وہ تلخ و ترش جملے کہے تھے کہ اگر وہ انہیں اس کے منہ سے سنے تو اسے دکھ اور صدمہ نہ ہو اور اب وہ جو کہہ رہا وہ حسین یادوں کو ذہن میں قید کرنے کی سعی تھی کہ جب بھی اس کا ذہن دغا دے جائے تو اسے یہ منظر یاد آئے، وہ انہیں دہرائے۔

دیبا سب سمجھ رہی تھی اور رو رہی تھی۔ اسے اعظم میر کی باتیں اب مکمل سمجھ میں آئی تھیں۔

"خدانخواستہ کبھی میں بھی کسی وجہ سے ڈمیشیا کا شکار ہو جاؤں، باتیں بھولنے لگوں، ماضی کی آدھی ادھوری بات اور یاد کا ذکر کروں تو میری آج کی باتیں، ... میرا، ہمارا سچ یہ ہے کہ تم اہم ہو، عزیز ہو اور تم ... مجھے محبت ہے۔" وہ کچھ دیر ٹھہر کر اپنے اور اس کے ہاتھ کو دیکھنے لگا۔

ذہنی مرض، مہلک، خطرناک اور طویل بیماری، ان میں بظاہر تو گھر کا ایک ہی فرد مبتلا ہوتا ہے لیکن یہ کسی نہ کسی سطح پر گھر کے ہر بندے کو بیمار کر دیتی ہے۔ اسے بھی اندیشوں کا مرض لاحق ہوا تھا۔

"میں یہ کسی سے کہنا نہیں چاہتا لیکن اب مجھ سے بوجھ سنبھل نہیں رہا۔ پاپا کی وفات سے پہلے شام میں، میں نے ان دونوں کی باتیں سنی تھیں۔ امی پھر کسی پچھلے وقت اور منظر میں تھیں۔ وہ پاپا سے راز داری میں کہہ رہی تھیں کہ۔" یہ اس کی زندگی کا مشکل ترین لمحہ تھا۔

"گھر واپس آتے ہوئے انہیں نوید نے خط دیا، اس نے لکھا تھا کہ وہ انہیں پسند کرتا ہے اور ان سے وہ سب کہہ رہی تھیں جو نہیں کہنا چاہیے تھا۔ میں اس وقت پاپا کا چہرہ دیکھ نہیں سکا تھا لیکن یہ سوچ کر وہاں سے ہٹ گیا تھا کہ صبح ان سے بات کروں گا لیکن صبح۔" وہ بھاری ہوتی آواز سنبھالتے رک گیا۔

"آپ بالکل غلط سمجھ رہے ہیں۔" اس نے تیزی اور بے قراری سے کہا۔

"انکل اور پھپھو کا رشتہ ایسا نہیں تھا کہ انکل اس بات کا اس قدر صدمہ لیتے اور سب سے اہم کہ موت کا دن معین ہے، کوئی دکھ، کوئی سانحہ اسے وقت سے پہلے نہیں بلا سکتا۔"

"میں بھی خود کو یہ سب سمجھا رہا ہوں دیبا! لیکن دل نہیں مانتا۔ میرے دل سے یہ خیال جاتا ہی نہیں کہ پاپا کو اس بات سے تکلیف پہنچی ہوگی، یہ ان کے لیے بہت اچانک، غیر متوقع اور شدید تھا۔ اتنا کہ وہ سہہ نہ سکے۔"

"نہیں بالکل نہیں۔ آپ غلط سوچ رہے ہیں، ایسا کچھ نہیں ہے، بچپن لڑکپن کی یہ باتیں اتنی اہم نہیں ہوتیں۔" اس نے اس کے موقف کی پرزور مخالفت کی۔

"ایک بار مجھے انکل نے کہا تھا۔ وہ سن کر شاید آپ پھپھو اور ان کے رشتے کی گہرائی اور گیرائی سمجھ سکیں۔ انہوں نے کہا تھا۔" وہ ان کی باتیں دہرانے لگیں جو آج بھی اسے یاد تھیں۔

"محبت احساس اور خلوص جب ایک سطح پر ہو تو پھر اس سے مضبوط رشتہ کوئی نہیں ہوتا، اس کے بعد کوئی بات، کوئی راز، کوئی انہونی، کوئی جھٹکا دو نفوس کو جوڑنے والی کڑی کو کمزور کرنے کا اہل نہیں رہ جاتا اور تعلق کا حسن یہ ہی رفاقت تو ہے جس میں ماضی اور مستقبل کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی، سب کچھ حال ہوتا، یہ پل جب ہم ساتھ ہیں، پاس ہیں، یہی تو سب کچھ ہے، یہ ہی تو 'ہم' ہیں اور 'ہم' کا ہونا ہی خوشی ہے، زندگی ہے۔ عینی کا دل بدلا ہے نہ محبتیں کہیں

www.pkdailyinfo.com
CamScanner

کھوئی ہیں، بس اس کا دماغ دغا دے گیا ہے لیکن میں خوش ہوں، مجھے کوئی شکایت نہیں، کیوں کہ وہ میرے پاس، میرے ساتھ، میرے سامنے ہے، مجھے اس کے ہر احساس کی خبر ہے۔ وہ کہنے سے قاصر ہے لیکن میں سمجھنے سے نہیں، وہ اظہار سے معذور ہے مگر میں پذیرائی سے نہیں۔"

باپ کے الفاظ تھے، اس پر اثر کیسے نہ کرتے۔

"اس لیے آپ ایسا ہرگز نہ سوچیں نہ انکل اور پھوپھو کے لیے نہ ہمارے لیے۔" اس نے اپنا ہاتھ کھینچ کر منیب کے دونوں ہاتھ اپنی گرفت میں لیے۔

"پہلے تو یقین رکھیں، پھپھو جیسا کچھ آپ کے ساتھ نہیں ہوگا اور پھر یہ کہ مجھے کبھی آپ کی کسی بات پر ایسا دکھ نہیں ہوسکتا، چاہے وہ بات آپ کے نزدیک کتنی ہی صدمے والی کیوں نہ ہو۔ مجھے وہ سب ملا ہے جس کا گمان نہ میں نے کیا تھا نہ کسی اور نے۔ ساری عمر کے لیے میرے اندر بس ایک احساس ہے اپنے رب کے لیے، آپ کے لیے اور وہ ہے شکر گزاری، اس پر کوئی دوسرا احساس حاوی نہیں ہوسکتا، کوئی بات اسے کمزور نہیں کرسکتی۔"

دبو، ڈرپوک سی لڑکی میں آج اس قدر اعتماد تھا کہ وہ مضبوط لہجے میں اسے سمجھا رہی تھی۔

وہ مسکرا دیا۔ اس سے بانٹ لینے کے بعد وہ قدرے ہلکا ہوگیا تھا۔ کبھی کبھی سب کچھ جانتے بوجھتے بھی وہی بات کسی اور کی زبانی سن کر ہی تسلی ہوتی ہے۔

☆☆☆

وہ بہت دیر سے اعظم میر کا فون ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی مگر فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ اسے آگے بڑھنا چاہیے یا نہیں۔ بالآخر اس نے کانٹیکٹس کے سرچ بار میں 'نوید' لکھا اور نیچے نتیجے میں ایک ہی نمبر لکھا آیا۔

اس نے ذرا سے تامل کے بعد کال ملائی۔

"ہیلو۔ جی میں دیبا بات کررہی ہوں، اعظم میر کی بہو۔" پہلی بار اس نے اپنا تعارف کروایا تھا اور یہ حوالہ ...

انہیں ان کی وفات کا علم نہیں تھا۔ وہ بھی سن کر حیران اور افسردہ ہوئے۔ انہوں نے باری باری سب کے متعلق پوچھا اور پھر الوداعی کلمات کے بعد فون رکھ دیا۔

فون کے بعد اگلے اتوار ہی وہ اپنی بیگم کے ساتھ ان سے ملنے آگئے۔ وہ دوسرے شہر سے اپنی کار سے آئے تھے۔

قرۃ العین انہیں اجنبی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے نوید احمد کو پہچانا نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد شانو انہیں واپس کمرے میں لے گئی تھی۔

"کتنا بدل گیا ہے سب!" ان کی آواز میں افسوس تھا۔

"پاپا کے بعد امی زیادہ خاموش ہوگئی ہیں۔" منیب نے کہا۔

"ہمم۔ ان کی دوستی اور انڈر اسٹینڈنگ کمال کی تھی۔ جب ان کی شادی کی بات چلی تو ہم سب حیران تھے کیوں کہ ہمارا سارا گروپ جانتا تھا کہ ان میں ایک دوسرے کے لیے ایسی کوئی فیلنگ نہیں ہے، ہمیں یقین تھا، وہ انکار کردیں گے لیکن دونوں نے بڑوں کے فیصلے پر سر جھکا دیا اور۔" وہ ہنسنے لگے۔

"شادی کے بعد مجھے اعظم نے کہا 'کیوں بے سالے اس لیے مجھ سے کہہ رہا تھا کہ منع کردے۔' اور میں اتنا شرمندہ ہوا کہ سال بھر اسے اپنی شکل ہی نہیں دکھائی۔" وہ مسکراتے ہوئے چپ ہوگئے مگر ان کی بات کے پیچھے چھپی اہم کہانی کھل گئی تھی۔

"بھائی صاب جب بھی ملتے مجھے ضرور کہتے تھے کہ اس پر نظر رکھا کرو، اسے صنفِ نازک کو پریم پتر لکھنے کی عادت ہے۔" ان کی بیگم نے ہنستے ہوئے کہا۔

"انہوں نے اسکول میں یہ کام کیا تھا۔" منیب کے حیرت سے کھلے منہ کو دیکھتے ہوئے انہوں نے شوہر کو مسکرا کے دیکھتے ہوئے وضاحت کی اور چائے کی ٹرے لیے آرہی دیبا کی آنکھیں اپنے اس جوئے کے جیتنے پر نم ہوگئیں۔

☆☆☆

'شانو کی بینی میر بیکرز' ایک کامیاب بزنس تھی۔ ڈاکٹر بننے کا خواب دیکھنے والی شانو ثابت ہوئی تھی۔ ڈاکٹر بننے کا خواب دیکھنے والی شانو اپنے کام میں خوش اور مصروف تھی۔ لوگ اسے دیکھ کر کہتے تھے وہ بنی ہی اس کام کے لیے ہے۔

منیب ایک کم پڑھی لکھی اور مقام و درجے میں کم لڑکی کے ساتھ خوش اور مطمئن تھا۔ اس کی فرم اب بھی اسی شہر تک محدود تھی۔ اس کا دوسرے شہر جانے اور اپنا کام پھیلانے کا خواب اب بھی ادھورا تھا لیکن اہم یہ تھا کہ اسے اس کا افسوس نہیں تھا۔

دیبا اپنی ماں کو آرام دہ زندگی گزارتے دیکھ رہی تھی جس کی اسے شدید خواہش تھی لیکن اس نے کبھی اس کے پورا ہونے کا خواب نہیں دیکھا تھا۔

سلمان کی اپنی الگ دنیا تھی۔ اسے کبھی کبھار ماں اور بہن بھائی کی یاد آجاتی تو وہ ملنے آجاتا تھا۔ وہ مکمل طور پر ان سے غافل نہیں تھا مگر اسے ہمہ وقت ان کے گھر میں، بیمار ماں کے ساتھ رہنا مشکل لگتا تھا۔

قرۃ العین کی یادداشت کے ساتھ اب جسمانی قوت بھی حد درجہ کمزور تھی۔ وہ خود سے چل پھر نہیں پاتی تھیں۔ انہیں ہمہ وقت ایک معاون کی ضرورت تھی۔

ایک بیماری نے کئی زندگیاں بدل دی تھیں۔ اس سے نبرد آزما افراد کی اپنی اچھائیاں، کمزوریاں اور حوصلے تھے جو انہیں اس مقام پر لے آئے تھے لیکن ان سب میں اعظم میر اگر اعظم میر نہ ہوتے تو ان سب کی زندگیوں کا یہ روشن رخ کبھی نہ ہوتا۔

وہ وہیل چیئر دھکیلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا جہاں سب قرۃ العین کے منتظر تھے۔ شانو کا بنایا خوبصورت کیک مرکزی میز پر سجا تھا۔ میز کے گرد شانو، دیبا، عابدہ اور سلمان کھڑے تھے۔ فاریہ بھی اپنی بیٹی کو گود میں لیے تھی۔ آج قرۃ العین کی سالگرہ تھی۔

ان سب کے چہرے دیکھنے کے بعد قرۃ العین نے کیک کو دیکھا تو مسکرا دیں۔ انہیں کسی کا چہرہ یاد نہ آیا مگر ان کا بیکنگ کا شوق اس وقت آنکھوں سے خوشی بن کر جھلک رہا تھا اور ان سب کے لیے یہ جھلک کافی تھی۔

شانو کو اتنی خوشی اپنے ڈاکٹر بننے کی نہ ہوتی جتنی اس وقت اپنے بنائے کیک کی وجہ سے ماں کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ کو دیکھ کر ہو رہی تھی۔

کیک کاٹنے کے بعد سلمان نے اس سے پلیٹ لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو وہ اسے ترکش ڈیزائن والی پلیٹ پکڑا کر ہٹ گیا۔ وہ ماں کو اپنے ہاتھ سے کیک کھلانا چاہتا تھا۔

دیبا سب کے لیے چائے لینے باورچی خانے میں گئی تو وہ بھی چپکے سے اس کے پیچھے چلا آیا۔ حسب توقع وہ چولہے کے پاس کھڑی آنسو روکنے کی کوشش کررہی تھی۔ اعظم میر کی یاد ایسے وقت بڑی شدت سے آئی تھی۔ اس نے کچھ کہے بنا اسے قریب کیا اور وہ رونے لگی۔

"دیبا! پاپا کی بات مجھ سے بہتر تمہیں یاد ہوگی۔ انہوں نے اسی لیے تو کہا تھا کہ سب کچھ حال ہوتا ہے، یہ پل جب ہم ساتھ ہیں، پاس ہیں، یہی تو سب کچھ ہے، یہ ہی تو 'ہم' ہیں اور 'ہم' کا ہونا ہی خوشی ہے، زندگی ہے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہم میں سے کوئی بھی حال میں، موجودہ پل میں کسی بھی وجہ سے اداس ہو یا آنسو بہائے۔"

دیبا آنسو صاف کرنے لگی۔ واقعی ان کی بات تو ساری رفاقتوں کے لیے تھی۔ اس نے سر اٹھا کے منیب میر کو دیکھا۔

"یہ ہی تو 'ہم' ہیں اور 'ہم' کا ہونا ہی خوشی ہے، زندگی ہے۔" وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرا دی۔

"اُفف یہ چوری چھپے والے رومانس کا چارم!" پیچھے سے شانو کی آواز آئی۔

دیبا شرما گئی اور وہ ہنس دیا۔

☆☆

www.pkdailyinfo.com
CamScanner